مراۃ العروس

ڈپٹی نذیر احمد

مرآۃ العروس سے ایامیٰ ناول تک

''مرآۃ العروس'' ڈپٹی نذیر احمد کا پہلا ناول درحقیقت اس زمانے کی تخلیق ہے جب انگریز کی فوجی قوت اس برصغیر میں رہنے والوں پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً دہشت ناک تسلط جما چکی تھی۔ حریت' حمیت وشجاعت اور ملی اقدار کے تحفظ کی بات کرتے ہوئے جس کے بارے میں سنا یا کسی مخبر نے خبر دی اسے فوراً دہلی کے المعروف ''خونی دروازہ'' میں نصب کردہ سولی پر چڑھا دیا گیا۔

ایسے حالات کے دفاعی ردعمل میں ملی تعلیمات کے عملی تقاضوں اور ذمہ داری کا احساس رکھنے والے ایک گھرانے کے باشعور اہل قلم ڈپٹی نذیر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روایات' اقدار اور تعلیمات کے تحفظ کے لیے غیر مرئی الفاظ اور قلم کی تلوار کو استعمال کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس معتبر مخلوق کے سپرد کیا جس کی گود اقوام وملل کی نہ صرف محافظ ہوتی ہے بلکہ اس کی معمار بھی ہوتی ہے۔

انہوں نے قلم اور الفاظ کی اس تلوار کو ناول کے خدوخال دے کر ایسا حسن دیا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس تلوار کی دھار کو عورتوں کی زبان کی چاشنی دی۔ محاورات سے سجایا' روایات کی رونق دی۔ اس کے کردار کو ایسی زندگی دی کہ جو بھی ان سے ملا اسی کا ہولیا۔

ان کی اپنی بیٹی سکینہ اس ناول سے ابتدائی مرحلہ ہی میں نہ صرف خود متاثر ہوئی بلکہ اپنی سہیلیوں میں سے جسے بھی مرآۃ العروس کے کردار اکبری اور اصغری کے مثبت اور منفی نتائج سے متعارف کرایا بس انہی کا ہولیا۔ تعلیم کے فائدے اور جہالت کے نقصانات اور ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کے تقاضوں کا احساس قلم اور الفاظ میں اس طرح ڈھالا کہ دہلی کے شرفاء کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جہاں مرآۃ العروس موجود نہ ہو بعدازاں ۱۸۸۹ء میں مرآۃ العروس طبع ہو کر جب محفلوں میں عام ہو گئی تو ڈپٹی نذیر احمد نے چونکہ بطور حکمت اس میں ملکہ وکٹوریہ کی تعریف میں چند سطور بھی شامل کر دیں جس کے نتیجہ میں مرآۃ العروس پر انہیں انگریز سرکار نے انعام بھی دیا۔

بنات النعش

ڈپٹی نذیر احمد نے محسوس کیا کہ خواتین کے لیے صرف گھریلو تعلیم ہی نہیں بلکہ علوم متداولہ بھی ضروری ہیں لہٰذا انہوں نے مرآۃ العروس کے بعد یہ ناول تحریر کیا۔ اس ناول کا مرکزی کردار بھی اصغری ہے۔ اصغری نے مکتب کا آغاز نواب خاندان کی ایک بگڑی ہوئی بچی حسن آرا سے کیا۔ جو اصغری کے مکتب میں آنے کے بعد ایک مثالی لڑکی بن گئی۔ اصغری نے اپنے

ڈھب پر یوں تو سینکڑوں شاگرد لڑکیاں تیار کیں لیکن محمودہ اصغری کا تربیت یافتہ مکمل شاہکار ہے جو رشتے میں اس کی نند بھی ہے۔ اس کتاب میں تاریخ' جغرافیہ' سائنس' علوم اکنامکس (امور خانہ داری) معاشیات' نفسیات' مذہبیات' سیاسیات سبھی علوم موجود ہیں۔

توبتہ النصوح

اس ناول کا نام قرآن حکیم کی ایک آیت سے اخذ کیا گیا ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی توبہ جس کے بعد گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

ڈپٹی نذیر احمد چونکہ ادب برائے اصلاح کے قائل تھے لہٰذا انہوں نے یہ ناول اپنے مخصوص اسلوب میں ایسے والدین کے لیے قلم بند کیا جو بچے پیدا تو کرتے رہے لیکن ان کی تربیت وتہذیب اسلامی سے غافل رہے جس کے نتیجے میں کلیم (شاعر مزاج' آوارہ شطرنج باز) جوان ہوا۔ دوسرا علیم جو اچھے برے سے واقف تھا لیکن گھریلو ماحول کی وجہ سے اسی ڈھب پر پلا بڑھا۔ سب سے چھوٹا سلیم اپنے نیک دوستوں کی وجہ سے کھیل کود آوارہ گردی سے دور رہا اور دینی اقدار کا پابند بن گیا۔ دو بیٹیوں میں سے فہمیدہ شادی شدہ اکھڑ مزاج' ضدی' سست' اور پھوہڑ بھی تھی۔ جب کہ چھوٹی بچی ابھی صرف چند سال کی تھی۔ ایسے میں طاعون کے حملہ سے نصوح جب بچ گیا۔ تو اس کے دل میں آخرت کا احساس ابھر آیا اپنی ذمہ داری کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے اصلاح خانہ کے لیے سب سے پہلے بیوی کو ہمنوا بنایا۔ میاں بیوی نے اپنے بچوں کو کن مشکلات کے بعد دینی خطوط پر چلنے کے لیے آمادہ کیا یہ ایک صبر آزما' انتہائی کٹھن' داستان ہے۔ جو اس ناول کے کرداروں میں گھومتی نظر آتی ہے۔

اس ناول کا مرکزی خیال تربیت اولاد اور والدین کی ذمہ داریاں ہے۔ یہ ناول 1877ء میں شائع ہوا۔

فسانۂ مبتلا

ڈپٹی نذیر احمد نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب ان کی تعیش پسندی' لہو ولہب میں انہماک اور زندگی کے سنجیدہ حقائق سے تغافل ہے۔ وہ اپنے ہاتھ سے محنت کرنے کے بجائے باپ دادا کی کمائی اور جھوٹی اکڑ فوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ جب بچے کی تربیت غلط ہوتی ہے اور لہو ولعب کا رسیا ہو جاتا ہے میاں اور بیوی مختلف مزاج ہوتے ہیں۔ تو گھر کا گھر تباہ ہو جاتا ہے۔ مبتلا ایک ایسا ہی ضدی اور بگڑا ہوا بچہ تھا۔ جس کے والدین مر چکے تھے۔ بیوی بھی معاملہ فہم نہیں تھی۔ اسے طوائفوں کے ساتھ خاص لگاؤ تھا۔ بالآخر ایک طوائف سے شادی کر لی دونوں بیویوں کی

چپقلش کے نتیجے میں ایک روز کسی میپرسی کی حالت میں مرگیا۔ اس ناول میں میر تقی کا کردار ایک مصلح کا کردار یہ جو مبتلا کو خیر خواہانہ نصیحت کرتا رہتا ہے۔

ابن الوقت

یہ ناول ڈپٹی نذیر احمد نے 1888ء میں لکھا جب کہ وہ ملازمت سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان روز بروز انگریز کی نقالی میں اپنی اقدار کو کھو رہے ہیں۔ انگریز کی بھونڈی نقالی میں نہ تو وہ صاحب بن سکے اور نہ ہی مسلمان رہے۔ ابن الوقت اس ناول کا مرکزی کردار ایک اسی قسم کا آدمی ہے۔ اس ناول میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ انگریز کی نقالی کی بجائے اپنی اقدار پر جمے رہو۔ البتہ ان کی زبان' ان کے علوم سیکھ کر دنیاوی ترقی ضرور حاصل کرو۔

رویائے صادقہ

اس ناول میں ڈپٹی نذیر احمد نے دین اسلام کے مختلف العقیدہ اور مختلف فقہی مکاتب فکر کو اعتدال کی راہ سجھانے کی کوشش کی ہے اس ناول کا مرکزی کردار' ایک سمجھدار' سلیقہ منداور ذہین لڑکی صادقہ ہے جو علی گڑھ یونیورسٹی سے نکلے ہوئے متشکک ذہن شوہر کو اس کے مختلف سوالات کے بارے جواب دے کر مطمئن کرتی ہے اور بالآخر اس کا ذہن دین اسلام کے بارے میں صاف وشفاف ہو جاتا ہے۔

ایامیٰ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ڈپٹی نذیر احمد کا یہ ناول بیوگان کی دوسری شادی اور ان کی اصلاح احوال کے متعلق تھا۔ لیکن معلوم نہیں کہ وہ اب دستیاب بھی ہے یا نہیں؟

محمد مسعود عبدہ

باب پہلا

تمہید کے طور پر عورتوں کے لکھنے پڑھنے کی ضرورت اوران کی حالت کے مناسب کچھ نصیحتیں

جو آدمی دنیا کے حالات میں کبھی غور نہیں کرتا اس سے زیادہ کوئی احمق نہیں۔ غور کرنے کے واسطے دنیا میں ہزاروں طرح کی باتیں ہیں لیکن سب سے عمدہ اور ضروری آدمی کا اپنا خیال ہے کہ جس روز سے آدمی پیدا ہوتا ہے' زندگی میں اس کو کیا باتیں پیش آتیں اور کیوں کر اس کی حالت بدلا کرتی ہے۔

انسان کی زندگی میں سب سے اچھا وقت لڑکپن کا ہے۔ اس عمر میں آدمی کو کسی قسم کا فکر نہیں ہوتا۔ ماں باپ نہایت شفقت اور محبت سے اس کو پالتے ہیں اور جہاں تک بس چلتا' اس کو آرام دیتے ہیں۔ اولاد کے اچھا کھانے' اچھا پہننے سے ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے بلکہ ماں باپ اولاد کے آرام کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اور رنج تک کو گوارا کر لیتے ہیں۔ مرد جو باپ ہوتے ہیں' کوئی محنت مزدوری سے کماتے ہیں' کوئی پیشہ کر کے' کوئی سوداگری' کوئی نوکری۔ غرض جس طرح بن پڑتا ہے اولاد کی آسائش کے واسطے روپے کے پیدا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ عورتیں جو ماں ہوتی ہیں۔ کوئی ماں سلائی کا کام سیتی ہے' کوئی گوٹا بنتی ہے' کوئی ٹوپیاں کاڑھتی ہے یہاں تک کہ کوئی مصیبت کی ماری ماں چرخہ کات کر' چکی پیس کر' ماما گیری کر کے بچوں کو پالتی ہے۔ اولاد کی محبت جو ماں کو ہوتی ہے' ہرگز بناوٹ اور ظاہرداری کی نہیں ہوتی بلکہ سچی اور دلی محبت ہے اور خدائے تعالیٰ نے' جو بڑا دانا ہے یہ ممتا اس لیے ماں باپ کے پیچھے لگا دی ہے کہ اولاد پرورش پائے۔ ابتدائے عمر میں بچے نہایت بے بس ہیں' نہ بولتے نہ سمجھتے' نہ چلتے نہ پھرتے۔ اگر ماں باپ محبت سے اولاد کو نہ پالتے تو بچے بھوکوں مر جاتے۔ کہاں سے ان کو روٹی ملتی' کس طرح کپڑا بہم پہنچاتے اور کیوں کر بڑے ہوتے؟ آدمی پر کیا موقوف ہے' جانوروں میں بھی اولاد کی ماما بہت سخت ہے۔ مرغی بچوں کو دن بھر پروں میں چھپائے بیٹھی رہتی ہے اور اناج کا ایک دانہ بھی اس کو ملتا ہے تو آپ نہیں کھاتی' بچوں کو بلا کر چونچ سے ان کے آگے سرکا دیتی ہے اور اگر چیل یا بلی اس کے بچوں پر حملہ کرنا چاہے تو مطلق اپنی جان کا خیال نہ کر کے لڑنے اور مرنے کو موجود ہو جاتی ہے۔ غرض ہو نہ ہو یہ خاص محبت ماں باپ کو صرف اسی لیے خدا نے دی ہے کہ ننھے ننھے بچوں کو جو ضرورت ہو اٹکی نہ رہے۔ بھوک کے وقت کھانا اور پیاس کے وقت پانی۔ سردی سے بچنے کو گرم کپڑا اور ہر طرح کی آرام کی چیز وقت مناسب پر مل جائے۔ دیکھنے سے ایک بات یہ بھی

معلوم ہوتی ہے کہ یہ پھڑک اس وقت تک رہتی ہے جب تک بچوں کو اس کی ضرورت احتیاج ہوتی ہے۔ جب مرغی کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو وہ ان کو پروں میں چھپانا چھوڑ دیتی ہے اور جب بچے چل کر پھر کر اپنا پیٹ بھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو مرغی کچھ بھی ان کی مدد نہیں کرتی بلکہ جب بہت بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کو اس طرح مارنے کو دوڑتی ہے گویا وہ ان کی ماں نہیں۔ آدمی کے ماں باپ کا بھی یہی حال ہے جب تک بچہ ہوتا ہے' ماں دودھ پلاتی ہے اور اس کو گود میں لادے لادے پھرتی ہے۔ اپنی نیند خراب کر کے بچے کو تھپک تھپک کر سلاتی ہے۔ جب بچہ اتنا سیانا ہوا کہ کھچڑی کھانے لگا' ماں دودھ بالکل چھڑا دیتی ہے اور وہی دودھ جس کو برسوں پیار سے پلاتی رہی' سختی اور بے رحمی سے نہیں پینے دیتی۔ کڑوی چیزیں لگا لیتی ہے اور بچہ ضد کرتا ہے تو مارتی اور گُھرکتی ہے چند روز کے بعد بچوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گود میں لینا تک ناگوار ہوتا ہے۔ کیا تم نے اپنے چھوٹے بھائی بہن کو اس بات پر مار کھاتے نہیں دیکھا کہ ماں کی گود سے نہیں اترتے۔ ماں خفا ہو رہی ہے کہ کیسا ناہموار بچہ ہے کہ ایک دم نہیں چھوڑتا۔ ان باتوں سے یہ مت سمجھو کہ ماں کی محبت نہیں رہی۔ نہیں نہیں محبت تو ویسی ہی ہے مگر ہر حالت کے ساتھ ایک خاص طرح کی محبت ہوتی ہے اولاد کا حال یکساں نہیں رہتا۔ آج دودھ پیتے ہیں' کل کھانے لگے پھر پاؤں چلنا سیکھا۔ بچہ جتنا بڑا ہوتا گیا' اسی قدر محبت کا رنگ بدلتا گیا۔ اور زیادہ بڑے ہو کر لڑکے اور لڑکیاں پڑھنے اور لکھنے اور کام کرنے کے واسطے ماریں کھاتے ہیں۔ اگرچہ بے وقوفی سے بچے نہ سمجھیں مگر ماں باپ کے ہاتھوں سے جو تکلیف بھی تم کو پہنچے وہ ضرور تمہارے اپنے فائدے کے واسطے ہے۔ تم کو دنیا میں ماں باپ سے الگ رہ کر بہت دنوں جینا پڑے گا۔ کسی کے ماں باپ تمام عمر زندہ نہیں رہتے خوش نصیب ہیں وہ لڑکے اور لڑکیاں جنہوں نے ماں باپ کے جیتے جی ایسا ہنر اور ایسا ادب سیکھا جس سے ان کی تمام زندگی خوشی اور آرام میں گزری' اور نہایت بدقسمت ہے وہ اولاد جنہوں نے ماں باپ کی زندگی کی قدر نہ کی اور جو آرام ماں باپ کی وجہ سے ان کو میسر ہوا اس کو اکارت اور ایسے اچھے فراغت اور بے فکری کے وقت کو سستی اور کھیل کود میں ضائع کیا۔ عمر بھر رنج و مصیبت میں کاٹی۔ آپ عذاب میں رہے اور ماں باپ کو اپنے سبب عذاب میں رکھا۔ مرنے پر کچھ موقوف نہیں' شادی بیاہ ہوئے پیچھے اولاد ماں باپ سے جیتے جی چھوٹ جاتی ہے۔ لڑکوں لڑکیوں کو ضرور سوچنا چاہیے کہ ماں باپ سے الگ ہوئے پیچھے ان کی زندگی کیوں کر گزرے۔

دنیا میں بہت بھاری بوجھ مردوں کے سر پر ہے۔ کھانا' کپڑا اور روز مرہ کے خرچ کی سب چیزیں روپے سے حاصل ہوتی ہیں اور سارا کھڑاگ روپے کا ہے۔ عورتوں کو بڑی خوشی کی بات ہے کہ اکثر روپیہ پیدا کرنے کی محنت سے محفوظ رہتی ہیں۔ مردوں کو دیکھو روپے کے لیے کیسی کیسی سخت محنتیں کرتے ہیں۔ کوئی بھاری بوجھ سر پر اٹھاتا ہے' کوئی لکڑیاں چیرتا۔

سنار' لوہار' ٹھٹھیرا' کسیرا' کندلہ گر' زرکوب' دبکیہ' تارکش' ملمع ساز' جڑیا' سلمہ ستارہ والا' بٹیہ' جلد ساز' مینا ساز' قلعہ گر' سادہ گر' صیقل گر' آئینہ ساز' زردوز' منھیار' نعل بند' نگینہ ساز' کامدانی والا' سان گر' نیاریا' ڈھلیہ' بڑھئی' خرادی' ناریل والا' کنگھی ساز' بنس پھوڑ' کاغذی' جولاہا' رفو گر' رنگ ریز' چھیپی' دستار بند' درزی' علاقہ بند' نیچہ بند' موچی' مہر کن' سنگ تراش' حکاک' معمار' دبگر' کمہار' حلوائی' تیلی' تنبولی' رنگ ساز' گندھی وغیرہ جتنے پیشے والے ہیں' کسی کا کام جسمانی اور دماغی تکلیف سے خالی نہیں' اور روپے کی خاطر یہ تمام تکلیف مردوں کو سہنی اور اٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن اس بات سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ عورتوں کو کھانے اور سو رہنے کے سوا دنیا کا کوئی کام مطلق نہیں بلکہ خانہ داری کے تمام کام عورتیں ہی کرتی ہیں۔ مرد اپنی کمائی عورتوں کے آگے لا کر رکھ دیتے ہیں اور عورتیں اپنی عقل سے اس کو بندوبست اور سلیقے کے ساتھ اٹھاتی ہیں۔ پس اگر غور سے دیکھو تو دنیا کی گاڑی میں جب تک ایک پہیہ مرد اور دوسرا عورت کا نہ ہو چل نہیں سکتی۔ مردوں کو روپیہ کمانے سے اتنا وقت نہیں بچتا کہ اس کو گھر کے کاموں میں صرف کریں۔ اے لڑکو! وہ بات سیکھو کہ مرد ہو کر تمہارے کام آئے اور اے لڑکیو! ایسا ہنر حاصل کرو کہ عورت ہونے پر تم کو اس سے خوشی اور فائدہ ہو۔ بے شک عورت کو خدا نے مرد کی نسبت کسی قدر کمزور پیدا کیا ہے۔ لیکن ہاتھ' پاؤں' آنکھ' یادداشت' سوچ سمجھ سب چیزیں مردوں کے برابر عورتوں کو دی گئی ہیں۔ لڑکے ان ہی چیزوں سے کام لے کر ہر فن میں طاق اور ہر ہنر میں مشاق ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں اپنا وقت گڑیاں کھیلنے اور کہانیاں سننے میں کھوتی ہیں۔ ویسی ہی بے ہنر رہتی ہے اور جن عورتوں نے وقت کی قدر پہچانی اور اس کو کام کی باتوں میں لگایا۔ ہنر سیکھا' لیاقت حاصل کی' وہ مردوں سے کسی بات میں ہیٹی نہیں رہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کو دیکھو' عورت ذات ہو کر کس دھوم اور کس شان اور کس ناموری اور کس عمدگی کے ساتھ اتنے بڑے ملک کا انتظام کر رہی ہیں کہ دنیا میں کسی بادشاہ کو آج تک یہ بات نصیب نہیں۔ جب ایک عورت نے سلطنت جیسے کٹھن کام کو اور سلطنت بھی ماشاءاللہ اس قدر وسیع اور ایسے نازک وقت کہ بات منہ سے نکلی اور اخبار والوں نے تبنگڑ بنایا' اتنی مدت دراز تک سنبھالا اور ایسا سنبھالا کہ جو سنبھالنے کا حق ہے۔ تو اب عورتوں کی خداداد قابلیت میں کلام کرنا نری ہٹ دھرمی ہے۔

بعض نادان عورتیں خیال کرتی ہیں کہ کیا لکھ پڑھ کر ہم کو مردوں کی طرح نوکری کرنی ہے لیکن اگر کسی عورت نے لکھ پڑھ لیا ہے اور اس نے نوکری نہیں کی تو اس کا لکھنا پڑھنا اکارت بھی نہیں گیا۔ اس کو اور بہتیرے فائدے پہنچے جن کے مقابلے میں نوکری کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ جو لوگ علم کو صرف نوکری کا وسیلہ سمجھ کر پڑھتے ہیں ان کو علم کی قدر نہیں۔ سچ پوچھو تو علم کے آگے نوکری ایسی ہے جیسے سودے کے ساتھ رونگھن۔ کہاں سے قوتِ بیان لائیں کہ تم کو علم کے فائدے سمجھائیں۔ ظاہر کی دو آنکھیں تو ہمارے تمہارے سب کے منہ پر ہیں۔ کبھی اندھے فقیروں کی دعا سنو۔ کس حسرت سے کہتے ہیں۔ "بابا

آنکھیاں بڑی نعمت ہیں۔'' شاید کوئی بھی ایسا سنگ دل نہ ہوگا جس کو اندھوں کی معذوری اور بے کسی پر رحم نہ آتا ہو' لیکن دل کے اندھے جن کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا ان سے کہیں زیادہ قابلِ رحم ہیں۔ انگریزوں کی ولایت میں تو اندھوں کی تعلیم کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ اندھے ٹٹول ٹٹول کر اچھی طرح اخبار اور کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے اندھے بھی بعض ایسے بلا کے ذہین ہوتے ہیں کہ سوئی پروئیں' سیئں' اکیلے سارے شہر کے گلی کوچوں میں بے دھڑک دوڑے دوڑے پھریں۔ کھوٹا کھرا روپیہ پرکھیں۔ قرآن شریف کا حفظ کر لینا تو اندھے کے لیے گویا' ایک معمولی بات ہے۔ غدر سے پہلے پہلے شہر میں گنتی کے دو چار مادرزاد اندھے مولوی بھی تھے۔ غرض آنکھوں کا اندھا ہونا مصیبت ہے' مگر نہ ایسی کہ جیسے دل کا اندھا (یعنی جاہل ہونا) افسوس کورِ دل کے نقصانات سے لوگ واقف نہیں اور یہی وجہ ہے کہ عالم و فاضل ہونا تو درکنار' ہزار پیچھے ایک بھی پڑھا لکھا نظر نہیں آتا۔

یہ تو مردوں کا مذکور ہے' جن کو پڑھ لکھ کر روٹی کمانی ہے۔ عورتوں میں پڑھنے لکھنے کا چرچا اس قدر کم ہے کہ دلی جیسے غدار شہر میں اگر مشکل سے سوسوا سو عورتیں' وہ بھی شاید حرف شناس نکلیں بھی تو اس کو چرچا نہیں کہہ سکتے۔ پھر اگر چرچا نہ ہو تو خیر چنداں مضائقہ کی بات نہیں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ اکثر عورتوں کے لکھانے پڑھانے کو عیب اور گناہ خیال کرتے ہیں ان کو خدشہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو لکھنے پڑھنے سے عورتوں کی چار آنکھیں ہو جائیں۔ لیکن مردوں سے خط و کتابت کرنے اور خدانخواستہ کل کلاں ان کی پاک دامنی اور پردہ داری میں کسی طرح کا فتور واقع ہو۔ یہ صرف شیطانی وسوسے ہیں اور ملک کی خصوصاً عورتوں کی بدقسمتی لوگوں کو بہکا اور بھڑکا رہی ہے۔ اول تو ہم ایک ذری سی بات یہی پوچھتے ہیں کہ علم انسان کی اصلاح کرتا ہے یا الٹا اس کو بگاڑتا اور خرابی کے لچھن سکھاتا ہے؟ اگر بگاڑتا ہے تو مردوں کو بھی پڑھنے لکھنے کی مناہی ہونی چاہیے تاکہ بگڑنے نہ پائیں اور مرد بگڑیں گے تو کبھی کبھی ان کا بگاڑ عورتوں میں اثر کرے گا پر کرے گا۔ دوسرے انصاف شرط ہے۔ بے شک بعض پڑھے لکھے مرد بھی آوارہ بدوضع ہوتے ہیں۔ لیکن کیا علم نے ان کو آوارگی اور بدوضعی سکھائی؟ نہیں نہیں' آوارگی اور بدوضعی انہوں نے بری صحبت میں سیکھی یا کھجلی اور کوڑھ کی طرح ان کو واڑ کر لگی اور پڑھ لکھ کر ان کی برائی' مثلاً چھٹانک بھر ہے تو نہ پڑھنے کی صورت میں یقین جانو ضرور سیر سوا سیر ہوتی۔ بایں ہمہ' مثلاً سو پڑھے لکھوں پر نظر ڈالو تو کوئی اکا دکا شامت زدہ خراب ہو تو ہو ورنہ خدا نے چاہا تو اکثر نیک' بھلے مانس' ماں باپ کا ادب کرنے والے' بھائی بہنوں سے محبت رکھنے والے' بڑے کو بڑے اور چھوٹے کو چھوٹے کی جگہ سمجھنے والے' دنگے فساد اور بری صحبت سے دور بھاگنے والے' روزے رکھنے والے' سچ بولنے والے' غریبوں پر ترس کھانے والے' غصے کے پی جانے والے' بزرگوں کی نصیحت پر چلنے والے' لحاظ شرم والے' جیسا کھانا کپڑا میسر آیا شکر گزاری کے ساتھ کھانے والے ملیں گے۔ ہماری بھی

ساری عمر ایسے ہی لوگوں میں گزری ہے۔ ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ جو شخص علم کو بدنام کرتا ہے' آسمان پر تھوکتا ہے اور چاند پر خاک ڈالتا ہے۔ بے شک بعض برے لوگوں نے بری کتابیں بھی دنیا میں پھیلا دی ہیں اردو میں اس قسم کی کتابیں بہت کم ہیں اور جو ہیں سلسلۂ درس سے خارج اور ان کا پڑھنا اور سننا کیا مرد کیا عورت سب ہی کے حق میں زبون ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ آنکھ بری جگہ بھی پڑ سکتی ہے یا زبان سے بعض نالائق کوستے' جھوٹ بولتے' گالیاں بکتے' بلاضرورت قسم کھاتے یا لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی بدیاں روتے ہیں جس کو غیبت کہتے ہیں' نہ آنکھیں پھوری جاتی ہیں نہ زبان کاٹی جاتی ہے۔ تو صرف علم نے کیا قصور کیا ہے کہ ایک لغو اور بے اصل احتمال کی بنیاد پر عورتوں کو اس کے بے انتہا دینی اور دنیاوی فائدوں سے محروم رکھا جائے؟ کیا اتنا نہیں ہو سکتا کہ بے ہودہ کتابوں کو مستورات کی نظر سے نہ گزرنے دیں؟ علاوہ بریں آدمی کے دل کو خدا نے بنایا ہے آزاد۔ جب انسان کو کسی پر مجبور کیا جائے تو وہ چاروناچار اس کام کو کرتا ہے' مگر نہ اس عمدگی اور خوبی کے ساتھ جیسا کہ خود اپنے دل کے تقاضے سے۔ کہاں تو دوسروں کی زبردستی اور کہاں اپنا شوق۔ مثلاً لڑکے بعض تو وہ ہیں جن کو خود پڑھنے کا مطلق شوق نہیں۔ اس واسطے کہ نادان ہیں' بے سمجھ ہیں۔ اتنا نہیں جانتے کہ آج کو جی لگا کر پڑھ لکھ لیں گے تو بڑے ہوئے پیچھے ہمارے ہی کام آئے گا۔ دنیا میں ہماری عزت و آبرو ہوگی۔ دنیا اور دین دونوں میں ہمارا بھلا ہوگا۔ تو ایسے بدشوق لڑکے کبھی خوشی سے مدرسے نہیں جاتے۔ گھر والوں نے زبردستی دھکیل دیا یا مکتب کے لڑکے آئے اور ٹانک کر لے گئے۔ زبردستی گئے' بے دلی سے بیٹھے رہے' چھٹی ملی' نہ کچھ پڑھا نہ لکھا' کورے واپس آئے۔ دوسرے قسم کے لڑکے وہ ہیں جن کی قسمت میں خدا نے کچھ بہتری لکھی ہے وہ آپ سے بے کہے' بے بھیجے' بے بلائے وقت سے پہلے مدرسے کو دوڑے چلے جاتے ہیں۔ جاتے ہی آموختہ پڑھا' مطالعہ کیا' سبق لیا اور آخر وقت تک اس میں لگے لپٹے رہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان دونوں قسم کے لڑکوں میں کس سے امید کی جا سکتی ہے کہ لکھ پڑھ کر امتحان پاس کرے گا' گھر بیٹھے اس کو نوکری کے لیے بلاوے آئیں گے۔ زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ بے شک جس کو شوق ہے اسی کو فوق ہے۔

اسی طرح ہماری عورتوں میں حیا' پاک دامنی' پردہ داری' نیکی جو کچھ سمجھو خدا کے فضل و کرم سے بہتر ہی ہے۔ مگر برا مانو یا بھلا مانو' ابھی تک ہے مجبوری کی۔ یعنی مذہب اور ملکی رواج اور مردوں کی حکومت نے عورتوں کو زبردستی نیک بنا رکھا ہے لیکن اگر خود عورتوں کے دل میں نیکی کا تقاضا ہو تو سبحان اللہ نور علیٰ نور۔ ایک تو سونا کھرا' اوپر سے ملا سہاگہ' کیا کہنا ہے۔ مگر دل سے نیکی کے تقاضے کے پیدا ہونے کے علم کے سوا اور کوئی تدبیر ہی نہیں۔ بس جو لوگ عورتوں کو علم سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ گویا ان کو سچی اور حقیقی اور پاکیزہ اور بے لوث اور کھری اور پائیدار نیک دلی سے روکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ عورتوں کو خدا نے جاہل رہنے کے لیے نہیں بنایا۔ جس حالت میں عورتیں اب ہیں' اس کے لیے انہیں اتنی عقل کی کیا ضرورت ہے؟ بس خدا نے جو عورتوں کو اتنی ساری عقل دی ہے ضرور کسی بڑے کام کے لیے دی ہے۔ یعنی' علم حاصل کرنے کے لیے۔ لیکن اگر عورتیں عقل سے علم حاصل کرنے کا کام نہ لیں۔ تو ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے ہندوؤں کے جوگی جو اپنا ہاتھ سکھا کر مصلحتِ الٰہی کو باطل کرتے ہیں۔ کیوں صاحب' ہاتھ کا خشک اور بے کار کر دینا بہتر یا اس کو نیک کام میں لا کر دنیا کا فائدہ اور دین کا ثواب حاصل کرنا بہتر؟ مسلمانوں کی تشفی کے لیے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی بات ہو نہیں سکتی کہ رسول اللہ ﷺ کی بیبیوں میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سر برآوردہ تھیں۔ ایک دن دونوں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں کہ رسول پاک ﷺ آ نکلے اور حضرت عائشہؓ کی طرف اشارہ کر کے حضرت حفصہؓ سے بیان فرمایا کہ ان کو بھی لکھنا سکھاؤ۔ ہر چند پردہ نشینی کی وجہ سے دنیا کے بہت سے کام عورتوں کو معاف ہیں لیکن پھر بھی خیال کرو تو عورتیں نری نکمی نہیں ہیں۔

خانہ داری بدون عورت کے ایک دن نہیں چل سکتی۔ مرد کتنا ہی ہوشیار کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ عورت کی مدد کے بدون گھر چلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کے مرنے کو خانہ ویرانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس اگر دنیا کے کسی کام میں بھی بکار آمد ہے تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ خانہ داری کے اتنے بھاری کام میں جو مردوں کے سنبھالے نہ سنبھلے بکار آمد نہ ہو۔ پر یوں کہو کہ لوگوں کو اپنے معاملات پر غور کرنے اور سوچنے کی عادت نہیں۔ اگلے لوگ بری یا بھلی جو راہ نکال گئے ہیں' دائیں دائیں کچھ نہیں دیکھتے۔ بھیڑوں کی طرح اس پر آنکھیں بند کیے چلے جاتے ہیں۔ خانہ داری منہ سے کہنے کو تو ایک لفظ ہے' مگر اس کے معنی اور مطلب پر نظر کرو تو پندرہ بیس کے فرق سے خانہ داری اور دنیا داری ایک ہی چیز ہے۔ خانہ داری میں جو کام کرنے پڑتے ہیں ان کی فہرست منضبط نہیں ہو سکتی۔ شادی' غمی' تقریبات' مہمان داری' لین دین' نسبت نامہ' پیسنا' پکانا' سینا پرونا' خدا جانے کتنے بکھیڑے ہیں' جس نے گھر کیا ہو اسی کو کچھ خبر ہوگی۔ لیکن اس خانہ داری میں اولاد کی تربیت بھی ہے۔ اور کسی کام میں عورتوں کو علم کی ضرورت شاید نہ بھی ہو' مگر اولاد کی تربیت تو جیسی چاہیے بے علم کے ہونی ممکن نہیں۔ لڑکیاں تو بیاہ تک اور لڑکے اکثر دس برس کی عمر تک گھروں میں تربیت پاتے ہیں اور ماؤں کی خو بو ان میں اثر کر جاتی ہے۔ پس اے عورتو! اولاد کی اگلی زندگی تمہارے اختیار میں ہے۔ چاہو تو شروع سے ان کے دلوں میں ایسے اونچے ارادے اور پاکیزہ خیال بھر دو کہ بڑے ہو کر نام و نمود پیدا کریں اور تمام عمر آسائش میں بسر کر کے تمہارے شکر گزار رہیں! اور چاہو تو ان کے افتاد کو ایسا بگاڑ دو کہ جوں جوں بڑے ہوں خرابی کے لچھن سیکھتے جائیں اور انجام تک اس ابتدا کا تاسف کریں۔

لڑکوں کو بولنا آیا اور تعلیم پانے کا مادہ حاصل ہوا۔ اگر ماؤں کو لیاقت ہو تو اسی وقت سے بچوں کو تعلیم کر چلیں۔ مکتب یا

مدرسے بھیجنے کے انتظار میں لڑکوں کے کئی برس ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں نہ تو خود لڑکوں کو مدرسے جانے کا شوق ہوتا ہے اور نہ ماؤں کی محبت اس بات کو گوارا کرتی ہے کہ ننھے ننھے بچے جو ابھی اپنی ضرورتوں کے ضبط پر قادر نہیں ہیں استاد کی قید میں رکھے جائیں۔ لیکن اگر مائیں چاہیں اسی وقت میں ان کو بہت کچھ سکھا پڑھا دیں۔ لڑکے مدرسے میں بیٹھنے کے بعد بھی مدتوں تک بے دلی سے پڑھا کرتے ہیں اور کہیں بہت دنوں میں ان کی استعداد کو ترقی ہوتی ہے۔ اس تمام وقت میں ان کو ماؤں سے یقیناً بہت مدد مل سکتی ہے۔ اول تو ماؤں کی سی شفقت اور دل سوزی کہاں؟ دوسرے رات دن کا برابر پاس رہنا' جب ذرا طبیعت متوجہ دیکھی جھٹ کوئی حرف پہنچوا دیا۔ یا کچھ گنتی ہی یاد کرا دی۔ کہیں پورب پچھم کا امتیاز بتا دیا۔ مائیں تو باتوں باتوں میں وہ سکھا سکتی ہیں اور ماؤں کی تعلیم میں ایک یہ کتنا بڑا لطف ہے کہ لڑکوں کی طبیعت کو وحشت نہیں ہونے پاتی اور شوق کو ترقی ہو جاتی ہے۔ اولاد کی تہذیب ان کی پرورش کی تدبیر' ان کی جان کی حفاظت ان کے اختیار میں ہے۔ اگر خدانخواستہ کہیں اس سلیقے میں کمی ہو تو اولاد کی زندگی معرضِ خطر میں ہے۔ ایسا کون کم بخت ہو گا جس کو ماؤں کی محبت میں کلام ہو۔ لیکن وہی محبت اگر نادانی کے ساتھ برتی جائے تو ممکن ہے کہ بجائے نفع کے الٹا نقصان پہنچائے۔ ذرا انصاف کرو' کیا ہزاروں جاہل اور کم عقل مائیں ایسی نہیں ہیں جو اولاد کے ہر ایک مرض کو نظر گزار اور پرچھانواں اور جھپیٹا اور آسیب سمجھ کر بجائے دوا کے جھاڑ پھونک اتار کیا کرتی ہیں؟ ورنہ مناسب علاج کا اثر تم ہی سمجھ لو کیا ہوتا ہو گا۔ عرض یہ ہے کہ کل خانہ داری کی بلکہ یوں کہو کہ دنیا داری کی درستی موقوف ہے عقل پر عقل کی علم پر۔ اس بات کو ہر کوئی تسلیم کرے گا کہ عورت میں سب سے بڑا ہنر یہ ہونا چاہیے کہ جس کے پلے بندھی ہے' آپ اس سے راضی رہے اور اس کو اپنے راضی اور خوش رکھے۔

تم نے بہشت اور دوزخ کا نام سنا ہو گا۔ سچ مچ کی دوزخ اور بہشت تو دوسرے جہان کی چیزیں ہیں' مرے پیچھے ان کی حقیقت کھلے گی۔ لیکن ان کی شکلیں گھر گھر دنیا میں موجود ہیں اور ان کی پہچان کیا ہے؟ میاں بی بی کے آپس کا پیار و اخلاص۔ جس گھر میں میاں بیوی محبت اور سازگاری سے زندگی بسر کرتے ہیں' بس سمجھ لو کہ ان کو دنیا ہی میں بہشت ہے اور اگر آئے دن کی لڑائی ہے' جھگڑا ہے' یہ اس سے خفا' وہ اس سے ناراض تو جانو دونوں جیتے جی جہنم میں ہیں۔ سازگاری کے ساتھ ساری مصیبتیں انگیز کی جا سکتی ہیں بلکہ اس کی ایذا تک محسوس نہیں ہوتی اور سازگاری نہیں تو زندگی میں کچھ مزہ داری نہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ سازگاری کے لیے عورتوں کو زیادہ اہتمام کرنا ہو گا اس لیے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا پلا بالکل ہلکا ہے۔ کچھ راہ چلتے کی صاحب سلامت نہیں کہ تم روٹھے ہم چھوٹے بلکہ مرنے بھرنے کا تعلق ہے۔ سازگاری پیدا کرنے کے لیے جو تدبیریں عورت کے اختیار کی ہیں' ان سب میں بہتر سے بہتر ہمارے سمجھنے کی لیاقت ہے۔ لڑکیاں شرم

کے مارے منہ سے نہ کہیں لیکن دل سے تو ضرور جانتی ہیں کہ کوارپتے کے دن تھوڑے ہیں۔ آخر بیاہی جائیں گی۔ بیاہ پیچھے بالکل نئی طرح کی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے' جیسا کہ تم ماں اور نانی اور خالہ اور کنبے کی تمام عورتوں کو دیکھتی ہو۔ کوارپتے کا وقت تو بہت تھوڑا ہے۔ اس وقت کا اکثر حصہ تو بے تمیزی میں گزر جاتا ہے۔ وہ پہاڑ سی زندگی تو آگے آ رہی ہے جو طرح طرح کے جھگڑوں اور انواع واقسام کے بکھیڑوں سے بھری ہوئی ہے۔ اب تم غور کرو کہ تم کوئی انوکھی لڑکی تو ہو نہیں کہ بیاہ ہوئے پیچھے تم کو کچھ اور بھاگ لگ جائیں گے۔ جو دنیا جہان کی بہو بیٹیوں کو پیش آتی ہے وہ تم کو بھی پیش آئے گی۔ پس سوچنا چاہیے کہ بیاہ ہوئے پیچھے عورتیں کس طرح پر زندگی بسر کرتی ہیں' کیسی ان کی عزت کی جاتی ہے' کہاں تک مرد ان کی خاطر داری کرتے ہیں۔ خاص طور پر لوگوں کی حالت پر غور مت کرو۔ بعض جگہ اتفاق سے زیادہ ملاپ ہوا' عورت مرد پر غالب آ گئی اور جہاں زیادہ ناموافقت ہوئی' عورت کا دفتر بالکل اٹھ گیا۔ یہ تو بات ہی الگ ہے۔ ملک کے عام دستور اور عام رواج کو دیکھو۔ سو عام دستور کے موافق ہم تو عورتوں کی کچھ خاص قدر دیکھتے نہیں۔ ناقصات العقل تو ان کا خطاب ہے۔ تریاہٹ' تریا چرتر مردوں کے زبان زد۔ عورتوں کے مکر کی مذمت قرآن میں موجود ان کیدکن عظیم یعنی' مرد لوگ عورتوں کی ذات کو بے وفا جانتے ہیں۔

اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید

ایک شاعر نے عورتوں کی وجہ تسمیہ میں بھی ان کی مذمت پیدا کی ہے۔

اگر نیک بودے سر انجام زن

زنان رامزن نام بودے نہ زن

یہ سب باتیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ خانہ داری کے برتاؤ میں دیکھو تو گھر کی ٹہل خدمت کے علاوہ دنیا کا کوئی عمدہ کام بھی عورتوں سے لیا جاتا ہے یا کسی عمدہ کام کے صلاح یا مشورے میں عورتیں شریک ہوتی ہیں؟ جن گھروں میں عورتوں کی بڑی عزت اور بڑی خاطر داری ہے' وہاں بھی جب عورت سے پوچھا جاتا ہے تو یہی ''کیوں بی'' آج کیا ترکاری پکے گی؟ لڑکی کے لیے ٹاٹ بافی جوتی منگواؤ گی یا ڈیڑھ حاشیہ کی؟ چھالیہ مانک چندی لو گی یا جہازی؟ زردہ پوربی لینا منظور ہے یا امانت خانی؟ رضائی کو اودی گوٹ لگے گی یا سرمئی؟ اس کے سوا کوئی عورت بتا دے کہ کبھی مردوں نے اس سے بڑی باتوں میں صلاح لی ہے یا کوئی بڑا کام اس کے اختیار میں چھوڑ دیا ہے؟ پس اے عورتو! کیا تم کو ایسے برے حالوں میں جینا ناخوش نہیں آتا؟ اپنی بے اعتباری اور بے وقری پر افسوس نہیں ہوتا؟ کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ مردوں کی نظر میں تمہاری عزت ہو' تمہاری عقل پر ان کو اعتماد اور بھروسا ہو؟ تم نے اپنے ہاتھوں اپنا وقار رکھا ہے۔ اپنے کارن نظروں سے گری ہو۔ تم

کو قابلیت ہو تو مردوں کو کب تک خیال نہ ہوگا؟ تم کو لیاقت ہو تو مردوں کو کہاں تک پاس نہ ہوگا؟ مشکل تو یہ ہے کہ تم صرف اسی روٹی دال پکا لینے اور پھٹا پرانا سی لینے کو لیاقت سمجھتی ہو۔ پھر جیسی لیاقت ہے' ویسی قدر ہے۔ تمہاری اس بالفعل کی حالت اور جہالت پر ایک بدعقلی اور ایک مکروفریب کیا اگر دنیا بھر کے الزام تم پر لگائے جائیں تو واجب اور سارے جہان کی برائیاں تم میں نکالی جائیں تو بجا۔

اے عورتو! تم مردوں کے دل بہلاوا اور ان کی زندگی کا سرمایہ عیش' ان کی آنکھوں کی بہار روباغ' ان کی خوشی کو زیادہ اور ان کے غم غلط کرنے والیاں ہو۔ اگر تم کو مردوں سے بڑے کاموں کے انتظام کا سلیقہ ہو تو مرد تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیا کریں اور تم کو اپنا سرتاج بنا کر رکھیں۔ تم سے بہتر ان کا غم گسار' تم سے بہتر ان کا صلاح کار' تم سے بہتر ان کا خیرخواہ اور کون ہوگا۔ لیکن بڑے کاموں کا سلیقہ تم کو حاصل ہو تو کیوں کر؟ گھر کی چار دیواری میں تو تم قید ہو۔ کسی سے ملنے کی تم نہیں۔ کسی سے بات کرنے کی تم نہیں۔ عقل ہو یا سلیقہ' آدمی سے آدمی سیکھتا ہے۔ مرد لوگ پڑھ لکھ کر عقل و سلیقہ حاصل کرتے ہیں اور جو لکھے پڑھے نہیں وہ بھی ہزاروں طرح کے لوگوں سے ملتے' دس سے دس قسم کی باتیں سنتے ہیں۔ اس پردے سے تم کو نجات کی امید نہیں۔ بہت کچھ ہمارے ملکی دستور اور رواج نے اور کسی قدر مذہب نے پردہ نشینی کو عورتوں پر فرض و واجب کر دیا ہے اور اب اس رواج کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ پس سوائے پڑھنے لکھنے کے اور کیا تدبیر ہے کہ تمہاری عقلوں کو ترقی ہو؟ بلکہ مردوں کی نسبت عورتوں کو پڑھنے لکھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مرد تو باہر کے چلنے پھرنے والے ٹھہرے۔ لوگوں سے مل جل کر بھی تجربہ حاصل کر لیں گے۔ تم گھر میں بیٹھی بیٹھی کیا کرو گی؟ سینے کی پٹچی سے عقل کی پڑیا نکال لو گی یا اناج کی کوٹھڑی سے تجربے کی جھولی بھر لاؤ گی؟ پڑھنا لکھنا سیکھو کہ پردے میں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کی سیر کر لیا کرو۔ علم حاصل کرو کہ گھر کے گھر میں زمانے بھر کی باتیں تم کو معلوم ہوا کریں۔ پھر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ دنیا ان ہی چند گھروں سے عبارت نہیں ہے جس میں تم رہتی ہو یا آتی جاتی ہو' اور نہ دلی یا ان تھوڑے سے شہروں سے عبارت ہے جن کے نام تم نے سنے ہیں۔ خیر تمام دنیا کے حالات بیان کرنے کا تو یہ محل نہیں۔ تم کو شوق ہو تو پڑھ لکھ کر جغرافیہ اور تاریخ کی کتابوں کی سیر کرنا۔ تب جانو گی کہ دنیا کتنی بڑی ہے۔ کیسے کیسے ردوبدل اس میں ہوتے آئے ہیں۔

بہرکیف' اس وقت کا یہ رنگ ہے کہ سارے ہندوستان پر انگریز قابض ہیں۔ ان لوگوں میں مرد' عورت' امیر' غریب' نوکری پیشہ' سوداگر' اہلِ حرفہ' کاریگر' زمین دار' کاشت کار سب کے سب پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور اسی سے خدا نے ان کو ترقی دی ہے کہ کہاں ان کی ولایت اور کہاں ہندوستان۔ چھ سات ہزار میل کا فاصلہ اور بیچ میں سمندر۔ مگر علم کے زور سے اس ملک میں آئے' علم ہی کے زور سے اس کو اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ چلا رہے ہیں کہ روئے زمین کی کسی سلطنت میں

ایسا امن وانصاف اور ایسا انتظام نہیں۔ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ دانش مند منصف اور خدا ترس بادشاہ کو رعیت اپنی اولاد سے بڑھ کر پیاری ہوتی ہے۔ پس انگریز جس دن اس ملک میں آئے' اسی دن سے اس بات کے پیچھے پڑے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ لکھیں پڑھیں' لیاقت حاصل کریں کہ ان کا افلاس دور ہو۔ ظلم زبردستی کرنا تو انگریزوں کا دستور نہیں مگر جہاں تک سمجھانے سے' لالچ دکھانے سے ہوسکتا ہے علم کو ترقی دے رہے ہیں۔ گاؤں گاؤں مدرسے بٹھا دیئے ہیں۔ پڑھنے والوں کو وظیفے اور انعام دیئے جاتے ہیں۔ جو لوگ امتحان پاس کرتے ہیں ان کو نوکری ملتی ہے۔ سو خدا کے فضل سے اتنا تو ہوا ہے کہ لکھنے پڑھنے کا بہت رواج ہو گیا ہے اور ہوتا جاتا ہے۔ یہی ایک ڈھنگ ہے تو کوئی دن کو دھوبی' سقے' مزدور تک لکھنے پڑھنے لگیں گے۔ بھلا پھر ان پڑھ اور جاہل اشراف لوگوں کی' مرد ہوں یا عورت کیا عزت باقی رہ جائے گی؟

انگریزی عمل داری میں ہزاروں قسم کی نئی چیزیں چل پڑی ہیں۔ ان میں سے ایک عجیب اور بڑے کام کی ریل ہے جس کی وجہ سے مہینوں کے رستے گھنٹوں میں طے کیے جاتے ہیں اور وہ بھی کس سہولت اور آسائش کے ساتھ کہ سفر کا سفر اور تفریح کی تفریح۔ یہی سبب ہے کہ لوگ جیسے پردیس کے کام سے گھبراتے تھے' اب سفر کے لیے بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ یہ ہماری یاد کی بات ہے کہ جب کوئی حج کا ارادہ کرتا تو یہ سمجھ کر گھر سے نکلتا کہ بس مجھ کو لوٹ کر آنا نہیں۔ یا اب ریل اور دخانی جہازوں کے طفیل میں یہ حال ہو گیا ہے کہ ذیقعد میں گھر سے نکلے' محرم کے آخر ہوتے ہوتے مکے مدینے دونوں کی زیارت کر کے اصل خیر سے آموجود ہوئے۔ اور لوگوں میں تو خیر مگر نوکری پیشہ تو شاذونادر کوئی گھر کے گھر موجود ہو ورنہ جس کو سنو پردیس۔ لیکن پردیس سے آپس کے تعلقات تو نہیں چھوٹتے۔ ایک بار بڑے دن کی تعطیل میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ذرا گورکھپور اور دلی کے فاصلے تو دیکھو اور باوجود یہ کہ گورکھپور سے دلی تک برابر ریل نہ تھی' آٹھ دن کی چھٹی میں آنے جانے کو اور پورے پانچ دن دہلی میں ٹھہرنے کو' دیکھو بھلے کو انگریزی عمل داری ہو گئی تھی کہ ہم نے بھی یہ آرام دیکھ لیے۔

خیر تو عرض یہ کہ چھٹی میں دلی آیا ہوا تھا کہ ایک بی بی اپنے میاں کے نام خط لکھوانے آئیں۔ بتاتی گئیں' میں لکھتا گیا۔ بہت سی باتیں ان کے منہ تک آتی تھیں مگر لحاظ کے مارے کہہ نہیں سکتی تھیں۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے ان کو سمجھایا کہ خدا نے تمہاری روزی تو اتاری پردیس میں' اور پردیس بھی مہینے دو مہینے کا نہیں بلکہ ساری عمر کا۔ اس سے تم آپ لکھنا کیوں نہیں سیکھ لیتیں؟ تو وہ بڑی حسرت کے ساتھ کہنے لگیں' بھلا کہیں اب میری عمر لکھنا سیکھنے کی ہے؟ بال بچوں کے بکھیڑے میں پندرہ پندرہ دن گزر جاتے ہیں کہ سر دھونے کی نوبت نہیں آتی۔ بچپن میں قرآن پڑھا تھا۔ خیر شکر ہے استانی جی کی برکت سے بھولا تو نہیں مگر مشکل سے گھڑیوں میں جا کر ایک مہینا بھی چھوڑ دوں تو سارا قرآن سپاٹ ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ جب تم کو قرآن یاد ہے تو لکھنا سیکھ لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ ہر روز تو تم پڑھ لیتی ہو گی۔ وہ بولیں' ہاں'

کچھ یوں ہی سی اٹک اٹک کر اور اکثر لفظ رہ جاتے ہیں۔ مگر چھپا ہوا خاصی طرح سے نکال لیتی ہوں۔ میں نے کہا' بس تو تم کو استاد کی ضرورت بھی نہیں۔ نقل کرتے کرتے لکھنا آ جائے گا۔ ان بی بی نے دل میں میری بات کو تسلیم تو کیا مگر کہنے لگیں' شرم سی آتی ہے۔ تب تو میں نے ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا کہ دوسروں کے پاس حاجت لے جاتے ہوئے' دوسروں کی خوشامد کرتے ہوئے' دوسروں پر چبا چبا کر اپنے حالات ظاہر کرتے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی اور لکھنا سیکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کیا لکھنا کچھ عیب ہے یا گناہ ہے؟ میں نے سنا کہ اس کے بعد سے ان بی بی نے اپنا خط کسی سے نہیں لکھوایا اور پھر تو ان کو لکھنے کا ایسا شوق ہوا کہ جن بیبیوں کے مرد پردیس میں تھے خط لکھنے کو اب ان کے سر ہوتی تھی۔

لکھنے کو لوگوں نے ناحق بدنام کر رکھا ہے کہ مشکل ہے' مشکل۔ کچھ بھی مشکل نہیں۔ لیکن فرض کرو کہ پڑھنے کی نسبت لکھنا کسی قدر مشکل ہے بھی تو ویسے ہی اس کے مصنفین بھی ہیں۔ جو شخص پڑھنا جانتا اور لکھنا نہیں جانتا' اس کی مثال اس گونگے کی سی ہے جو دوسروں کی سنتا اور اپنی نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی شخص شروع شروع میں کسی کتاب سے زیادہ نہیں' ایک سطر' دو سطر روز نقل کر لیا کرے اور اسی قدر اپنے دل سے بنا کر لکھا کرے اور اصلاح لیا کرے اور نقل کرنے اور لکھنے سے جھینپنے اور جھجکے نہیں تو ضرور چند مہینوں میں لکھنا سیکھ جائے گا۔ خوش خطی سے مطلب نہیں۔ لکھنا ایک ہنر ہے جو ضرورت کے وقت بہت کام آتا ہے۔ اگر غلط ہو یا حرف بدصورت اور نادرست لکھے جائیں تو بیدل ہو کر مشق کو موقوف مت کرو۔ کوئی کام ہو' ابتدا میں اچھا نہیں ہوا کرتا۔ اگر کسی بڑے عالم کو ایک ٹوپی کترنے اور سینے کو دو' جس کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو' وہ ضرور ٹوپی خراب کرے گا۔ چلنا پھرنا جو تم کو اب ایسا آسان ہے کہ بے تکلف دوڑی دوڑی پھرتی ہو' تم کو شاید یاد نہ رہا ہو کہ تم نے کس مشکل سے سیکھا۔ مگر تمہارے ماں باپ اور بزرگوں کو بخوبی یاد ہے کہ پہلے تم کو بے سہارے بیٹھنا نہیں آتا تھا۔ جب تم کو گود سے اتار کر نیچے بٹھاتے' ایک آدمی پکڑے رہتا تھا یا تکیے کا سہارا لگا دیتے تھے۔ پھر تم نے گر پڑ کر گھٹنوں کے بل چلنا سیکھا' پھر کھڑا ہونا' لیکن چارپائی پکڑ کر۔ پھر جب تمہارے پاؤں مضبوط ہو گئے' رفتہ رفتہ چلنا آ گیا۔ مگر صدہا مرتبہ تمہارے پاؤں میں چوٹ لگی اور ہر روز تم کو گرتے سنا۔ اب وہی تم ہو کہ خدا کے فضل سے ماشاءاللہ دوڑی دوڑی پھرتی ہو۔ اسی طرح ایک دن لکھنا بھی آ جائے گا۔ اور فرض کرو کہ تم کو لڑکوں کی طرح اچھا لکھنا نہ بھی آیا' تاہم بقدر ضرورت تو آ جائے گا اور یہ مشکل تو نہ رہے گی کہ دھوبن کے کپڑوں کی دھلائی اور پینے والی کی پسائیوں کے واسطے دیوار پر لکیریں کھینچتی پھرو یا کنکر پتھر جوڑ کر رکھو۔ گھر کا حساب کتاب' لینا دینا' زبانی یاد رکھنا بہت مشکل ہے اور بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو روپیہ پیسہ گھر میں دیا کرتے ہیں' اس کا حساب پوچھا کرتے ہیں۔ اگر زبانی یاد نہیں ہے تو مرد کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ روپیہ کہاں خرچ ہوا اور آپس میں ناحق کا رنج و فساد ہوتا ہے۔ اگر عورتیں اتنا لکھنا سیکھ بھی لیا کریں کہ اپنے سمجھنے کے واسطے کافی

ہوتو کیسی اچھی بات ہے۔

لکھنے پڑھنے کے علاوہ سینا پرونا' کھانا پکانا یہ دونوں ہنر ہر ایک لڑکی کو سیکھنے ضرور ہیں۔ کسی آدمی کو حال معلوم نہیں ہے کہ آئندہ اس کو کیا اتفاق پیش آئے گا۔ بڑے امیر اور بڑے دولت مند یکا یک غریب اور محتاج ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی ہنر ہاتھ میں پڑا ہوتا ہے' ضرورت کے وقت کام آتا ہے۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ اگلے وقتوں کے بادشاہ باوجود دولت و ثروت کے' ضرور کوئی ہنر سیکھ رکھا کرتے تھے تاکہ مصیبت کے وقت کام آئے۔ یاد رکھو! دنیا میں کوئی حالت قابل اعتبار نہیں۔ اگر تم کو اس وقت آرام و فراغت میسر ہے' خدا کا شکر کرو کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہمارے گھر میں برکت اور فراغت دی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم اس آرام کی قدر نہ کرو یا آئندہ کے واسطے اپنا اطمینان کر لو کہ یہی آرام ہم کو ہمیشہ کے واسطے حاصل رہے گا۔ آرام کے دنوں میں عادتوں کا درست رکھنا ضرور ہے۔ اگرچہ خدا نے تم کو نوکر چاکر بھی دیئے ہوں لیکن تم کو اپنی عادت نہیں بگاڑنی چاہیے۔ شاید خوانخواستہ مقدور باقی نہ رہے تو یہ عادت بہت تکلیف دے گی۔ آپ اٹھ کر پانی نہ پینا یا چھوٹے چھوٹے کاموں میں نوکروں یا چھوٹے بھائی بہنوں کو تکلیف دینا اور آپ احدی بن کر بیٹھے رہنا نامناسب اور عادت کے بگاڑنے کی نشان ہے۔ تم کو اپنا کام سب آپ کرنا چاہیے۔ بلکہ اگر تم چست و چالاک رہو تو گھر کے بہت سے کام تم اٹھا سکتی ہو۔ اور اگر تم تھوڑی سی محنت بھی اختیار کرو تو اپنی ماں کو بہت کچھ مدد اور سہارا لگا سکتی ہو۔ خوب غور کر کے اپنا کوئی کام ایسا مت چھوڑو جس کو ماں اپنے ہاتھوں کرے یا دوسروں کو اس واسطے بلاتی اور تکلیف دیتی پھرو۔ رات کو جب سونے لگو' اپنا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھالیا کرو اور صبح سویرے اٹھ کر آپ تہہ کر کے احتیاط سے مناسب جگہ رکھ دیا کرو۔ اپنے کپڑوں کی گٹھڑی اپنے اہتمام میں رکھو۔ جب کپڑے بدلنے ہوں' اپنے ہاتھ سے پھٹا ادھڑا درست کر لیا کرو۔ میلے کپڑوں کی احتیاط کرو۔ جب تک دھوبن کپڑے لینے آئے' ان کو علیحدہ کھونٹی پر لٹکا رکھو۔ اگر کپڑے بدل کر میلے کپڑے اٹھا کر نہ رکھو گی تو شاید چوہے کاٹ ڈالیں یا پڑے پڑے زیادہ میلے ہو جائیں اور دھوبن ان کو خوب صاف نہ کر سکے۔ یا شاید زمین کی نمی اور پسینے کی تری سے ان میں دیمک لگ جائے۔ پھر دھوبن کو اپنے میلے کپڑے آپ دیکھ کر دیا کرو اور جب دھو کر لائے خود دیکھ لیا۔ شاید کوئی کپڑا کم لائی ہو یا کہیں سے پھاڑ نہ دیا ہو یا کہیں پہ داغ باقی نہ رہ گئے ہوں۔ اس طرح جب تم اپنے کپڑوں کی خبر رکھو گی' تمہارے کپڑے خوب صاف دھلا کریں گے اور کوئی کپڑا گم نہ ہو گا۔ جو زیور تم پہنے رہتی ہو' بڑے داموں کی چیز ہے۔ شام کو سونے سے پہلے اور صبح کو جب سو کر اٹھو' خیال کر لیا کرو کہ سب ہیں یا نہیں۔ اکثر بے خبر لڑکیاں کھیل کود میں زیور گرا دیتی ہیں اور کئی کئی دن کے بعد ان کو معلوم ہوتا ہے کہ بالی گر گئی' چھلا نکل پڑا۔ کیا معلوم ذرا سی چیز کس کی نظر پڑ گئی اور اس نے اٹھا لی یا کہیں مٹی میں دب دبا گئی۔ تب وہ غافل لڑکیاں زیور کے

واسطے افسوس کر کے روتی اور تمام گھر کو جستجو میں حیران کر مارتی ہیں۔اور جب ماں باپ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی زیور کو احتیاط سے نہیں رکھتی اور کھو دیتی ہے تو وہ بھی دریغ کرنے لگتے ہیں۔

تم کو ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ گھر کے کاموں میں سے کون سا کام تمہارے کرنے کا ہے' بے شک چھوٹے بھائی بہن اگر روتے اور ضد کرتے ہیں تو تم ان کو سنبھال سکتی ہو تا کہ ماں کو تکلیف نہ دیں۔منہ دھلانا' ان کے کھانے اور پانی کی خبر رکھنا' کپڑا پہنانا' یہ سب کام اگر تم چاہو تو کر سکتی ہو۔لیکن اگر تم اپنے بھائی بہنوں سے لڑو اور ضد کرو تو تم خود اپنا وقار کھوتی اور ماں کو تکلیف دیتی ہو۔وہ گھر کا کام دیکھے یا تمہارے مقدمے کا فیصلہ کیا کرے۔گھر میں جو کھانا پکتا ہے' اس کو اس غرض سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ کب پک چکے گا اور کب ملے گا۔گھر میں جو کتا اور بلی یا دوسرے جانور پلے ہیں' وہ اگر پیٹ بھرنے کی امید سے کھانے کے منتظر رہیں تو مضائقہ نہیں۔لیکن تم کو غور کرنا چاہیے کہ سالن کس طرح بھونا جاتا ہے' نمک کس انداز میں ڈالتے ہیں۔اگر ہر ایک کھانے کو غور سے دیکھا کرو تو یقین ہے چند روز میں تم پکانا سیکھ جاؤ گی اور تم کو وہ ہنر آ جائے گا جو دنیا کے تمام ہنروں میں سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہے۔معمولی کھانوں کے علاوہ تکلف کے چند کھانوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔کباب' پلاؤ' میٹھے چاول' زردہ' متنجن' چٹنی' مربہ' فرنی سب مزے دار کھانے ہیں۔ہر ایک کی ترکیب یاد رکھنی چاہیے۔بعض کھانے تکلف کے تو نہیں ہوتے لیکن ان کا مزے دار پکانا تعریف کی بات ہے۔جیسے مچھلی' کریلے۔ سینا تو چنداں دشوار نہیں' قطع کرنا البتہ عقل کی بات ہے۔دل لگا کر اس کو معلوم کر لینا بہت ضرور ہے۔عورتوں کے سب کپڑوں کو قطع کرنا خاص طور پر ضرور سمجھ لینا چاہیے۔ہم نے اکثر بے وقوف عورتوں کو دیکھا ہے کہ اپنے کپڑے دوسری عورتوں کے پاس قطع کرانے کے لیے پھرا کرتی ہیں اور ان کو تھوڑی سی بات کے لیے بہت سی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔ مردانے کپڑوں میں انگرکھا کسی قدر مشکل ہے۔تم اپنے بھائیوں کے انگرکھے قطع کیا کرو۔دو چار انگرکھے قطع کرنے سے سمجھ میں آ جائے گا۔

باب دوسرا

قصے کا آغاز اور جن لوگوں کا اس قصے میں بیان ہے' ان کے مختصر حالات

اب تم کو ایک مزے کا قصہ سناتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ جہالت اور بے ہنری سے کیا کیا تکلیفیں پہنچتی ہیں۔

دلی میں اندیش خانیوں کا ایک بڑا مشہور خاندان ہے مدت سے اس خاندان کے مردوں کے نام اندیش خاں پر چلے آتے ہیں جیسے دور اندیش خاں' مآل اندیش خاں' خیر اندیش خاں وغیرہ۔

اس سے یہ لوگ اندیش خانی کہلائے۔ ان لوگوں کا اتنا بڑا خاندان تھا کہ شہر میں شریفوں کا کوئی محلّہ نہ ہو گا جس میں دو چار گھر اندیش خانیوں کے نہ ہوں۔ یہ لوگ سب کے سب نوکری پیشہ اور اکثر ہندوستانی سرکاروں میں ممتاز خدمتوں پر مامور تھے۔

دور اندیش خاں جن کے خانگی حالات سے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے پنجاب کے پہاڑی اضلاع میں سرکار انگریزی کی طرف سے تحصیل دار تھے۔ نوکری اور تنخواہ تو کچھ ایسی بہت بڑی نہ تھی مگر آدمی لائق' دیانت دار اور کارگزار کہ اتنی صفتیں نوکروں میں کم ہوتی ہیں۔ اس سے انگریزوں میں اچھی آبرو پیدا کی تھی۔ ہم سے اور دور اندیش خاں صاحب سے جب اول اول ملاقات ہوئی کہ اس کو بھی اب چار سوا چار برس ہونے آئے تو ان کی عمر ایسی کوئی چوالیس پینتالیس برس کے قریب رہی ہوگی۔ بہت ہی خوش رو آدمی تھے۔ کشیدہ قامت' بدن کے اکہرے' جامہ زیب' داڑھی کھچڑی ہو چلی تھی۔ ہم تو سمجھے تھے کہ دادا اور نانا ہو گئے تو عجب نہیں مگر ایسی بہت اولاد بھی نہ تھی' صرف دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ یہ چاروں بچے گنگا جمنی طور پر پیدا ہوئے یعنی' سب سے بڑی پہلونٹی کی اکبری' اس کے اوپر خیر اندیش' اوپر اصغری' اصغری کے بعد سب سے چھوٹا مآل اندیش' ایک دن کچھ یوں ہی مذکور آ گیا کہ اولاد کم ہے تو بولے کہ خدا اصغری کی عمر میں برکت دے اور اس کو صاحب نصیب کرے اور انشاء اللہ ہوگی۔ مجھے تو بیٹا بیٹی کسی کی تمنا باقی نہیں۔

دور اندیش خان بیس برس پورے ہو کر اکیسویں میں لگے تھے کہ ان کا بیاہ اور اکبری پیدا ہوئی بیاہ کے کہیں دس ساڑھے دس برس بعد۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زیادہ تر اس انتظار کے سبب اور کسی قدر پہلونٹی کی ہونے کی وجہ سے بھی اکبری کے ساتھ ایسے

چونچلے برتے گئے کہ انہوں نے اکبری کے مزاج پر بہت ہی برا اثر کیا۔ نہ تو اس نے کچھ لکھا پڑھا' نہ کوئی ہنر سیکھا نہ عقل حاصل کی اور نہ اپنی عادتوں کو سنوارا۔ بس اکبری میں سوائے اس کے کہ وہ ایک شریف خاندان کی بیٹی تھی' تعریف کی کوئی بات ہی نہ تھی۔ پیدا ہونے کے ساتھ اس کو نانی نے اپنی بیٹی بنایا اور اس قدر اس کی ناز برداری کی کہ اس کے رونے اور مچلنے کے ڈر سے وہ بے چاری کسی کی شادی بیاہ میں شریک نہیں ہو سکتی تھی۔ اکبری ماں کو آپا اور باپ کو بھائی کہتی تھی۔ اور کہتی کیا تھی اس طرح پر اس کو سمجھایا اور سکھایا گیا تھا۔ وہ بات بات پر ماں باپ سے ردو کد رکھتی کہ گویا' دونوں اوپر تلے کی بہنیں ہیں۔ ماں کے ساتھ لڑتے جھگڑتے دیکھ کر ڈانتے اور دھمکانے کا کیا مذکور' نانی الٹی اسی کی حمایت لیتیں اور بگڑ بگڑ کر بیٹی سے کہتیں۔ ''پھر بھائی' بچے کی بات کا برا کیوں مانو۔''

دور اندیش خاں جہاں نوکر ہوتے اکثر بی بچوں کو اپنے پاس بلا بھی لیا کرتے تھے۔ جب کبھی ایسا اتفاق ہوا نانی نے اکبری کو کسی نہ کسی بہانے سے روک لیا اور جب سے پیدا ہوئی بیاہ کی گھڑی تک' ایک لمحے کے لیے اپنے سے جدا نہ کیا اور یوں اکبری نانی کے احمقانہ لاڈ کی وجہ سے ماں اور باپ دونوں کی تنبیہہ سے مطلقاً آزاد ہی رہی اور بے سری اٹھی۔ اصغری کا حال اس کے خلاف تھا۔ سارے چونچلے اور ارمان تو اکبری پر ختم ہو چکے تھے یہ اپنی خوش نصیبی سے اپنے ماں باپ کے یہاں تیسری جگہ تھی۔ اس نے پرورش پائی بڑوں کی نگرانی میں۔ بزرگوں کی روک ٹوک میں اس نے چھوٹی سی عمر میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مسائل کی اردو کتابیں پڑھ لی تھیں۔ لکھنے میں بھی عاجز نہ تھی اگر ماں دلی میں ہوتی اور باپ باہر نوکری پر تو جب تک دلی میں رہتی گھر کا حال باپ کو ہر ہفتے کے ہفتے لکھ بھیجا کرتی۔ ہر ایک طرح کا کپڑا سی سکتی تھی اور انواع واقسام کے مزے دار کھانے پکانا جانتی تھی۔ تمام محلے میں اصغری خانم کی تعریف تھی۔ ماں کے گھر کا تمام بندوبست اصغری خانم کے ہاتھوں میں تھا۔ جب کبھی باپ رخصت لے کر گھر آتا' خانہ داری کے انتظام میں اصغری سے صلاح پوچھتا۔ روپیہ پیسہ کوٹھڑیوں اور صندوقوں کی کنجیاں سب کچھ اصغری کے اختیار میں رہا کرتا تھا۔ اصغری کی نیک نیتی اور سلیقہ مندی دیکھ کر ماں باپ دونوں دل و جان سے اصغری کو چاہتے بلکہ محلے کے سب لوگ اس کو پیار کرتے تھے۔ مگر اکبری خود بخود اپنی چھوٹی بہن سے ناراض رہا کرتی بلکہ اکیلا پا کر مار بھی لیا کرتی تھی لیکن اصغری ہمیشہ آپا کا ادب کرتی اور کبھی ماں سے اس کی چغلی نہ کھاتی۔ دونوں بہنوں کی منگنی اتفاق سے ایک ہی گھر میں ہوئی۔ محمد عاقل اور محمد کامل دو حقیقی بھائی تھے۔ اکبری کا بیاہ بڑے محمد عاقل سے ہوا تھا اور اصغری کی بات محمد کامل کے ساتھ ٹھہر چکی تھی مگر بیاہ نہیں ہوا تھا۔

باب تیسرا

اکبری کی بدمزاجی اور اس کا سسرال سے روٹھ کر چلا آنا

کنبے کے لوگوں میں اکبری کی بدمزاجی' بے ہنری اور شرارتوں کی اس قدر شہرت تھی کہ جہاں کہیں اس کی منگنی کا پیغام جاتا کوئی حامی نہیں بھرتا تھا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ نہ سان نہ گمان ایک دم سے مردوں ہی مردوں میں ایک ساتھ دونوں بہنوں کی بات ٹھہر گئی۔ حسنِ اتفاق سے دوراندیش خاں اور مولوی محمد فاضل میں پرانی راہ ورسم تھی۔ دونوں نے ایک استاد سے پڑھا بھی تھا۔ ایک مرتبہ دوراندیش خاں رخصت لے کر دلی میں آ رہے تھے۔ راہ میں مل گئے مولوی محمد فاضل۔ انہوں نے بہ اصرار ان کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اندیش خاں نے اپنی دونوں بیٹیاں مولوی صاحب کو دینی منظور کر لیں۔ جب کنبے والوں کو معلوم ہوا تو کسی نے محمد عاقل کی ماں سے کہا بھی کہ سمدھیانے کا کیا پوچھنا ہے مگر بڑی لڑکی کو لوگ مزاج کی بہت تیز بتاتے ہیں۔ محمد عاقل کی ماں اس طرح کی نیک عورت تھی کہ ہر چند اکبری کے حالات سنے سنائے اس کو سب معلوم تھے تاہم اس نے یہی جواب دیا کہ استخوان اچھی چاہیے۔ خدا رکھے امیر گھر کی بیٹی ہے۔ بڑی پھڑک کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ نانی کو تھا ارمان اور ارمان کی جگہ تھی۔ انہوں نے کسی بات میں بچی کے دل کو میلا ہونے نہیں دیا۔ لاڈ پیار میں آ کر کچھ ضد کرنے لگی ہو گی' سو بچے اپنی اپنی جگہ سبھی ضد کیا کرتے ہیں۔ بیاہ کی دیر ہے' آپ ہی ٹھیک ہو جائے گی۔

مگر یہ صرف بڑی بی کا خیال تھا۔ اکبری بیاہ ہونے سے درست تو کیا ہوتی' س نے چوتھے پانچویں ہی مہینے میاں پر تقاضا کرنا شروع کیا کہ ہم سے تمہاری ماں کے ساتھ نہیں رہا جاتا' ہم یا تو رہیں گے اپنے میکے میں یا اگر ایسی ہی زبردستی ہے تو کسی دوسرے محلے میں چل رہو۔ ہم سے یہ دن رات کی کل کل نہیں سہی جاتی۔ محمد عاقل ہکا بکا سا ہو کر منہ دیکھنے لگا اور بولا۔ ''آخر کچھ بات بھی ہے؟ مجھ سے تو آج تک اماں جان نے تمہاری کوئی شکایت نہیں کی۔''

اکبری: لو اور سنو۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے! وہ میری کیا شکایت کرتیں؟ شکایت کرتا ہے کمزور۔ شکایت کرتا ہے وہ جس کا کوئی بس نہیں چلتا۔ شکایت کرتا ہے مظلوم۔

محمد عاقل: خدانخواستہ تم پر کسی نے کیا ظلم کیا؟ کچھ بتاؤ گی بھی؟

اکبری: ایک ہو تو بتاؤ سارے دن ان کو میرا پیٹنا ہے۔

محمد عاقل: تم نے کچھ معلوم بھی کیا کہ کیا چاہتی ہیں؟

اکبری: چاہتی کیا ہیں؟ میرے پاس کسی کے آنے اور بیٹھنے تک کی روادار نہیں۔ تیوری تو ان کی میں جانتی ہوں، خدا نے چڑھی ہوئی بنائی ہے۔ مگر آج تو انہوں نے چنیا اور زلفن اور رحمت اور سلمتی منہ در منہ سب کی فضیحتی کی۔

محمد عاقل: تم کو ان لڑکیوں کا کچھ حال بھی معلوم ہے؟ چنیا تو بھٹیاری ہے، زلفن شاید بخشو قلعی گر کی کوئی ہے، رحمت سقنی ہے اور اس کالی کلوٹی سلمتی کو میں نے اکثر مولن کنجڑے کی دکان پر دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں ضرور اس کی بیٹی ہوگی۔ مولن سے اس کا نقشہ بھی ملتا ہوا ہے۔ بھلا پھر یہ لوگ اس قابل ہیں کہ تم ان کو اپنی سہیلیاں بناؤ؟ محلے کے بھلے آدمی سنیں گے تو کیا کہیں گے؟ غریب ہونا کچھ عیب کی بات نہیں ہے مگر ایسے لوگوں کی عادتیں اچھی نہیں ہوتیں، اس خیال سے والدہ نے ان لڑکیوں کے آنے کی ممانعت کی ہوگی، سو یہ تو کوئی برا ماننے کی بات نہیں۔

اکبری: بس تم ماں بیٹوں کی مرضی تو مجھے قید میں ڈالنے کی ہے۔ سارے دن اکیلے چپ بیٹھے بیٹھے آدمی کا دم گھٹ جائے نوج!

محمد عاقل: اکیلی کیوں بیٹھو، گلی کی گلی میں قاضی امام علی، حکیم شفاء الدولہ، منشی ممتاز احمد، مولوی روح اللہ، میر حسن رضائی، آغائی صاحب وغیرہ کوڑیوں اشراف بھرے پڑے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بہو بیٹیوں سے ملو، چشمِ ما روشن، دلِ ماشاد۔

اکبری: ان سے ملے میری جوتی۔ ان سے ملے میری بلا۔ تم بھی وہی ہماری اماں جیسی ہائی لائے۔ وہ بھی بہت میرے پیچھے پڑا کرتی تھیں کہ منہیاری کی بیٹی بنو سے نہ مل۔ وہ بنی ہوئی تھی میری سہیلی، بھلا اس سے کیسے نہ ملتی؟ اماں کی ضد میں، میں نے بنو کے ساتھ ایک چھوڑ دو گڑیوں کے بیاہ کیے اور اماں سے چرا چرا کر اناج اور پیسے اور کپڑے اور کوڑیاں اتنی چیزیں بنو کو دیں کہ اماں بھی زچ ہوگئیں۔ نانی اماں کے ڈر کے مارے مارتیں تو کیا، بہتیرا کوستی تھیں، برا بھلا کہتی تھیں مگر ہم نے بنو سے ملنا نہ چھوڑا۔

محمد عاقل نے کہا "تم نے بہت جھک مارا۔"

یہ سن کر وہ احمق عورت بولی "دیکھو! خدا کی قسم! میں نے کہہ دیا کہ مجھ سے زبان سنبھال کر بولا کرو۔ نہیں تو پیٹ پیٹ کر اپنا خون کر ڈالوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ رونے لگی اور اپنے ماں باپ کو کوسنا شروع کیا: الٰہی! اس اماں باوا کا برا ہو، کیسی کم بختی میں مجھ کو دھکیل دیا ہے۔ مجھ کو اکیلا پا کر سب نے ستانا شروع کیا ہے۔ الٰہی! میں مر جاؤں، میرا جنازہ نکلے اور غصے کے مارے پان کھانے کی پٹاری جو چارپائی پر رکھی تھی لات مار کر گرا دی۔ تمام کتھا چونا تو شک پر گرا۔ اونی دریس کا لحاف پائنتی تہہ کیا ہوا رکھا تھا۔ چونے کے لگتے ہی اس کا تمام رنگ کٹ گیا۔ پٹاری کے گرنے کے غل سن کر سامنے کے دالان سے ساس دوڑی آئیں۔ ماں کو

آتے دیکھ کر بیٹا تو دوسرے دروازے سے چل دیا لیکن اپنے دل میں کہتا تھا' ناحق میں نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑا۔ ساس نے آ کر دیکھا تو چار پیسے کا کتھا جو کل چھان پکا کر کلھیا میں بھر دیا تھا' سب گر پڑا ہے۔ تو شک کتھے میں لت پت ہے آتے ہی ساس نے بہو کو گلے سے لگالیا اور اپنے بیٹے کو ناحق بہت کچھ برا بھلا کہا۔ اتنی دل جوئی کا سہارا او نکھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوا۔ ہر چند ساس نے منت کی اور سمجھایا' اس مکار عورت پر مطلق اثر نہ ہوا۔ ہمسائے کی عورتیں رون پیٹنے کی آواز سن کر جمع ہو گئیں۔ یہاں تک نوبت پہنچی کے بخشو قلعی گر کی بیٹی زلفن سمدھیانے دوڑی گئی اور ایک ایک کی چار چار لگائیں۔ نانی کی بے تدبیریوں نے تو اکبری کو غارت ہی کیا تھا نہ اچھی طرح پوچھا نہ گچھا' سنتے کے ساتھ ڈولی پر چڑھ آ پہنچیں' بہت کچھ لڑیں جھگڑیں' آخر اکبری کو اپنے ساتھ لے گئیں۔

باب چوتھا

اکبری کی شرارتیں، پھوہڑ پن، حمق اور بد مزاجیاں
اس کا پھر عین عید کے دن بے لطفی سے چلا جانا،
ضمناً اصغری کی مدح

اکبری گئی تو ایسی بے طوری تھی کہ شاید اس کو برسوں سسرال کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ مگر اتفاق سے اس کی سگی خالہ محمد عاقل کے گھر کے قریب رہتی تھیں۔ اگر یہ نیک بخت تھو تھو نہ کرتیں تو سسرال میں اکبری کی ایک دن بھی گزر نہ ہوتی۔ اکبری کا چلا جانا سن کر خالہ نے بہت افسوس کیا کہ اگر مجھ کو وقت پر ذرا بھی لڑائی کی خبر ہوتی تو اکبری کی ایسی کیا مجال تھی کہ چلی جاتی۔ میں تو اس کو ڈولی میں سے گھسیٹ لیتی۔ انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ اکبری تو نری احمق ہے۔ رہیں نانی، ان کو خدا نے بیٹھے بٹھائے نواسی کا عشق لگا دیا ہے۔ مگر ہاں آپا (اکبری کی ماں) بیٹی کو بٹھانے والی نہیں۔ جب دیکھا کہ بہت دن ہو گئے اور جانبین سے سلام و پیام تک متروک ہے تو بھانجی کی مامتا کی ماری خود گئیں اور ماں اور نانی دونوں کے سامنے اکبری کو بہت کچھ لعنت ملامت کی، سمجھایا، دھمکایا، ڈرایا اور اپنی ماں سے کہا کہ تمہاری باؤلی محبت اس کو ضرور گھر سے اجاڑ کر رہے گی۔ بارے رمضان کی تقریب سے زبردستی بھانجی کو سسرال لو الائیں کہ سمدھن اکیلی ہیں۔ اوپر سے آرہا ہے رمضان۔ غصے کو تھوک ڈالو اور چل کر ساس کا ہاتھ بٹاؤ۔ اب تم بچی نہیں رہیں۔ تمہاری عمر بال بچہ ہونے کی ہے۔ بھاری بھر کم بنو اور گھر کو گھر سمجھو۔ لڑو یا جھگڑو تم کو اپنی عمر اسی گھر میں بسر کرنی ہے۔

چند روز تک محمد عاقل مزاج دار بہو سے ناخوش رہا۔ آخر کو خلیا ساس نے میاں بی بی کا ملاپ کرا دیا لیکن مزاجوں میں جب ناموافقت ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں بگاڑ کا سامان موجود ہوتا ہے۔ محمد عاقل نے ایک دن اپنی ماں سے کہا کہ آج میں نے دوست کی دعوت کی ہے۔ افطاری اور کھانے کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیے۔ ماں نے جواب دیا ''تین دن سے افطار کے وقت مجھ کو لرزہ چڑھتا ہے۔ مجھ کو اپنی خبر تک نہیں رہتی۔ خدا ہمسائی کا بھلا کرے کہ وہ بے چاری آ کر پکا جاتی ہے۔ تم نے دعوت سے پہلے گھر میں پوچھ تو لیا ہوتا۔''

محمد عاقل نے بی بی کی طرف اشارہ کر کے کہا ''یہ کیا اتنے کام کی بھی نہیں ہیں؟'' بہو کو اتنا ضبط کہاں تھا کہ اتنی بات سن کر چپ رہے۔ سنتے ہی بولی ''اپنی اماں سے پوچھو کہ بیٹے کا بیاہ کیا ہے یا لونڈی مول لی ہے؟ لو صاحب، روزے میں چولہا

جھونکنا!''

محمد عاقل نے سوچا' اب اگر میں کچھ ردو کد کرتا ہوں تو پہلے کی طرح رسوائی ہو گی۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور افطار کے واسطے بازار سے کچھ مول لے آیا۔ غرض بات ٹل گئی۔

اب محمد عاقل کو دوسری آفت پیش آئی۔ عید سے بے چارے نے ایک ہفتہ آگے مزاج دار بہو صاحب کے جوڑے کی تیاری شروع کی۔ ہر روز طرح طرح کے کپڑے' رنگ برنگ کی چوڑیاں' ڈیڑھ حاشیہ اور سلمہ ستارے کی کامدار جوتیاں لاتا۔ مزاج دار کی خاطر تلے کچھ نہیں آتا اور پھر کم بخت اپنے منہ سے پھوٹتی بھی نہ تھی کہ ایسی چیز لا دو۔ یہاں تک کہ عید کا ایک دن باقی رہ گیا۔ مجبور ہو کر اکبری خانم کی خالی کے پاس گیا۔ انہوں نے آواز سن کر اندر بلایا۔ بلائیں لیں' پیار سے بٹھایا اور پوچھا ''کہو اکبری خانم تو اچھی ہے؟''

محمد عاقل نے کہا ''صاحب آپ کی بھانجی تو عجیب مزاج کی عورت ہیں۔ میرا تو دم ناک میں آ گیا۔ جو ادا ہے سونرالی ہے اور جو بات ہے سو ٹیڑھی۔''

خلیا ساس نے کہا ''بیٹا اس کا کچھ خیال مت کرو۔ ابھی کم عمر ہے بال بچے ہوں گے' گھر کا بوجھ پڑے گا' مزاج خود بخود درست ہو جائے گا اور آخر اچھے لوگ بروں سے بھی نباہ دیتے ہیں۔ بیٹا تم کو خدا نے سب لائق کیا ہے' ایسی بات نہ ہو کہ لوگ ہنسیں' آخر تمہاری ناموس ہے۔''

محمد عاقل نے کہا ''جناب میں تو خود اسی خیال سے درگزر کرتا رہتا ہوں۔ اب دیکھیے کل عید ہے۔ اس وقت تک نہ چوڑیاں پہنی ہیں نہ کپڑے بنائے ہیں۔ ذرا آپ چل کر سمجھا دیجئے۔ میں نے بہت کچھ کہا' اماں نے بہت کچھ منتیں کیں' نہیں مانتیں۔''

خلیا ساس نے کہا ''اچھا تمہارے خالو ابا نماز پڑھنے مسجد میں گئے ہیں' آلیں تو ان سے پوچھ کر چلتی ہوں۔''

غرض خالہ اماں نے جا کر چوڑیاں پہنائیں' کپڑے قطع کیے' جلدی کے واسطے سب مل کر سینے بیٹھیں۔ خالہ نے کہا ''بیٹی پاجامے میں کلیاں تم لگاؤ' گوٹ تمہاری ساس کتریں' میں تمہارے دوپٹے میں توئی ٹانکتی ہوں۔''

جب اکبری کلیاں لگا چکی تو اس نے اترا کر خالہ سے کہا ''لو بھئی تمہارے ابھی دو پلے باقی ہیں اور میں دونوں پائنچوں میں کلیاں لگا بھی چکی۔''

خالہ نے دیکھا تو سب کلیاں الٹی۔ اکبری کی ساس کے لحاظ سے منہ پر تو کچھ نہ کہا لیکن چپکے چپکے دو چار چٹکیاں ایسی لیں کہ اکبری کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اشارے سے کہا دیدوں پھوٹی' سوجھ تو۔ الٹی کلیاں لگا کر بیٹھی ہے۔ اکبری نے

اپنا سیا ہوا سب ادھیڑا اور پھر کلیاں لگانی شروع کیں۔ جب لگا چکی تو خالہ نے پھر دیکھا تو سب میں جھول۔ اب تو خالہ سے نہ رہا گیا اور اکبری کی ساس کی آنکھ بچا کر ایک سوئی اکبری کے ہاتھ میں چھوڑ دی اور کلیاں پھر ادھیڑ کر آپ لگائیں۔ غرض خدا خدا کر کے مزاج دار بہو کا جوڑا اسل کر تیار ہوا۔ اکبری کی خالہ اپنے گھر کو رخصت ہوئیں۔

اگلے دن بچے عید کی خوشی میں سویرے سے جاگے۔ کسی نے رات کی مہندی گھولی۔ کسی نے کھلی اور بیسن کے لیے غل مچایا۔ کسی نے اٹھتے کے ساتھ ہی عیدی مانگنی شروع کی' محمد عاقل بھی نماز صبح سے فارغ ہو کر حمام میں غسل کرنے چلا گیا۔ نہا دھو کر چار گھڑی دن چڑھے واپس آیا۔ لڑکوں کو دیکھا کہ کپڑے بدل بدلا عید کے واسطے تیار بیٹھے ہیں لیکن مزاج دار بہو صاحب حسبِ عادت پڑی سو رہی ہیں۔ محمد عاقل نے اپنی چھوٹی بہن محمودہ سے کہا ''محمودہ اپنی بھابی کو جگا دو۔''

پہلے تو محمودہ نے تامل کیا' اس واسطے کہ یہ مزاج دار بہو سے بہت ڈرتی تھی۔ جب سے بیاہ ہوا مزاج دار نے ایک دن بھی اپنی چھوٹی نند کے ساتھ محبت سے بات نہیں کی تھی اور نہ کبھی اس کو اپنے پاس آنے اور بیٹھنے دیا تھا۔ لیکن بھائی کے کہنے سے عید کی خوشی میں محمودہ دوڑی چلی گئی اور کہا ''بھابی اٹھو'' بھابی نے اٹھنے کے ساتھ محمودہ کے ایک طمانچہ رسید کیا۔ محمودہ رونے لگی۔ باہر سے بھائی آواز سن کر دوڑا اس کو روتا دیکھ کر گود میں اٹھا لیا اور پوچھا ''کیا ہوا؟''

محمودہ نے روتے روتے کہا ''بھابی جان نے مارا۔''

مزاج دار نے کہا ''دیکھو' جھوٹی نامراد۔ آپ تو دوڑتے ہیں گری اور میرا نام لگاتی ہے۔''

محمد عاقل کو غصہ تو بہت آیا لیکن مصلحت وقت سمجھ کر ضبط کیا۔ محمودہ کو پیار چمکار کر چپ کیا اور بی بی سے کہا ''خیر اٹھو۔ نہاؤ' کپڑے بدلو۔ دن چڑھ گیا ہے۔ میں عید گاہ جاتا ہوں۔''

مزاج دار نے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔ ''میں نے ایسے سویرے نہیں نہاتی۔ سردی کا وقت ہے۔ تم اپنی عیدہ گاہ جاؤ میں نے کیا پلا پکڑ رکھا ہے۔''

محمد عاقل کو ایسی روکھی بات سن کر بہت افسوس ہوا اور مزاج دار سدا کی ایسی کم بخت تھی کہ ہمیشہ اپنے میاں کو ناخوش رکھتی تھی۔ اتنے میں محمد عاقل کی ماں نے پکارا کہ بیٹا' جاؤ' بازار سے دودھ لاؤ تو خیر سے عیدہ گاہ سدھارو۔

محمد عاقل نے کہا ''بہت خوب۔ پیسے دیجیے۔ میں دودھ لائے دیتا ہوں۔ لیکن اگر میرے واپس آنے تک انہوں نے کپڑے نہ بدلے تو سب کپڑے چولہے میں رکھ دوں گا۔''

محمد عاقل تو دودھ لینے بازار گیا' ماں کو معلوم تھا کہ لڑکے کا کام مزاج بہت برہم ہے اور طبیعت بھی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اول تو اس کو غصہ نہیں آتا اور جو کبھی آتا ہے تو اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ ایسا نہ ہو سچ مچ نئے کپڑے جلا دے۔

جلدی سے بہو کے پاس آئیں اور کہا۔

''بیٹی خدا کے لیے برس کے برس دن تو بدشگونی مت کرو۔اٹھو' نہاؤ' کپڑے بدلو۔''

مزاج دار نے کہا''نہیں بی' میں تو اس وقت نہیں نہاتی ۔ٹھہر کر نہالوں گی ۔''

بارے ساس نے منت ساجت کر کے بہو کو نہلا دھلا کر کنگھی چوٹی کر' کپڑے پہنا محمد عاقل کے آنے سے پہلے دلہن بنا کر بٹھا دیا۔محمد عاقل یہ دیکھ کر خوش ہوا۔عیدہ گاہ چلتے ہوئے محمودہ سے پوچھا''کہو بی تمہارے لیے بازار سے کون سا کھلونا لائیں ؟''

محمودہ نے کہا''اچھی خوب صورت سی رحل لا دینا۔اس پر ہم سی پارہ رکھیں گے اور قلم دوات رکھنے کے لیے ایک ننھی سی صندوقچی ۔''

مزاج دار خود بخود بولی''اور ہمارے لیے؟''

محمد عاقل نے کہا''جو تم فرمائش کرو لیتا آؤں۔''

مزاج دار نے کہا''بھٹے اور سنگھاڑے اور جھڑبیری کے بیر اور مٹر کی پھلیاں اور ڈھیر ساری نارنگیاں ایک ڈفلی' ایک کھنجری۔''

یہ سن کر محمد عاقل ہنسنے لگا اور کہا''ڈفلی اور کھنجری کا کیا کرو گی؟''

مزاج دار احمق نے جواب دیا''بجائیں گے' اور کیا کریں گے؟''

محمد عاقل سمجھا کہ ابھی تک اس بے وقوف میں بے تمیز بچوں کی طرح کھانے اور کھیلنے کے پست خیالات موجود ہیں۔ کپڑے بدلنے سے جو خوشی محمد عاقل کو ہوئی تھی' سب خاک میں مل گئی اور اسی افسردہ دلی کی حالت میں عیدگاہ چلا گیا۔

اس کا جانا تھا کہ مزاج دار نے ایک اور نئی بات کی ۔ساس سے کہا''ہم کو ڈولی منگا دو۔ہم اپنی ماں کے گھر جائیں گے ۔''

ساس نے کہا''بھلا یہ جانے کا کیا موقع ہے؟ چار مہینے کے بعد تو تم ماں کے گھر سے اب آئی ہو۔عین عید کے دن جانا' بالکل نامناسب ہے۔''

مزاج دار نے کہا''میرا جی بہت گھبراتا ہے۔دل الٹا چلا آتا ہے۔مجھ کو اپنے میکے کی سہیلی باسو منہیار کی بیٹی بنو بہت یاد آتی ہے۔''

ساس نے کہا''بیٹی نوج! کسی کو کسی سے ایسا عشق ہو جیسا کہ بنو کا ہے۔اگر ایسا ہی دل چاہتا ہے تو اسی کو بلا بھیجو۔''

مزاج دار نے کہا ''واہ بڑی بے چاری بلانے والی۔ ایسا ہی بلانا تھا تو کل اس کو بلوا کر چوڑیاں پہنوائی ہوتیں۔''

ساس نے کہا ''بیٹی مجھ کو کیا معلوم تھا کہ یکا یک تم کو اس کی یاد گدگدائے گی۔''

مزاج دار نے کہا ''خیر بی بحث سے کیا فائدہ؟ ڈولی منگوانی ہے تو منگوا دو' نہیں تو میں بوا سلمتی کے ابا سے منگوا بھیجوں۔''

ساس نے کہا ''لڑکی تیری کوئی عقل ماری گئی ہے؟ میاں سے پوچھا نہیں' گچھا نہیں' آپ ہی آپ چلیں۔ اور مجھ کو تو اپنا بڑھا چونڈا نہیں منڈوانا ہے جو لڑکے کے بے اجازت ڈولی منگوا دوں۔''

مزاج دار نے کہا ''کیسا میاں اور کیسا پوچھنا؟ آپ اب کوئی اپنے ماں باپ سے عید بقر عید کو بھی نہ ملا کرے؟'' اتنا کہہ کر مولن کنجڑے سے ڈولی منگوائی' یہ جا وہ جا۔

تھوڑی دیر بعد محمد عاقل عید گاہ سے لوٹا اور گھر گھستے ہی پکارا ''لو بی اپنی خنجری اور ڈفلی' لو بجاؤ۔''

دیکھا تو سب چپ ہیں۔ ماں سے پوچھا ''کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟''

محمودہ نے کہا ''بھابی جان چلی گئیں۔''

محمد عاقل نے حیران ہو کر پوچھا ''ایں' کیوں کر گئیں؟ کہاں گئیں؟ کیوں جانے دیا؟''

ماں نے جواب دیا ''بیٹھے بٹھائے یکا یک کہنے لگیں' میں تو اپنی اماں کے ہاں جاؤں گی۔ میں نے ہر چند منع کیا' ایک نہ مانی۔ مولن سے ڈولی منگوا چلی گئیں۔ میں روکتی رہ گئی۔''

محمد عاقل یہ سن کر غصے کے مارے تھرا اٹھا اور چاہا کہ سسرال جا کر اس نابکار عورت کو سزا دے۔ یہ سوچ کر باہر نکلا۔ ماں سمجھ گئی۔ جاتے کو پکارا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ ماں نے کہا ''شاباش! بیٹا شاباش! میں تم کو پکار رہی ہوں اور تم سنتے ہو' جواب نہیں دیتے۔ تیرھویں صدی میں ماؤں کا یہی وقر رہ گیا ہے؟'' یہ سنتے ہی محمد عاقل الٹے پاؤں پاؤں پھرا۔ ماں کہا ''بیٹا یہ تو بتا' اس دھوپ میں کہاں جاتا ہے۔ ابھی عید گاہ سے آیا ہے۔ اب پھر باہر چلا۔ ماں صدقے گئی۔ جی زندہ ہو جائے گا۔''

محمد عاقل نے کہا ''بی' میں کہیں نہیں جاتا۔ مسجد میں حافظ جی سے ملنے جاتا ہوں۔''

ماں نے کہا ''لڑکے ہوش میں آ۔ میں نے دھوپ میں اپنا چونڈا سفید نہیں کیا۔ لو صاحب' ہمیں سے باتیں بنانے چلا ہے! حافظ جی کے پاس جاتا ہے تو انگرکھا اور دوپٹہ اتار کر رکھ جا۔''

یہ سن کر محمد عاقل مسکرانے لگا۔ ماں نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس جانماز پر بٹھالیا اور اس کے سر کی طرف دیکھ کے بولی ''عید گاہ آنے جانے میں تمہارے بال تمام گرد آلود ہو گئے ہیں۔ ذرا تکیے پر سر رکھ کر لیٹ جاؤ تو میں صاف کر دوں۔''

محمد عاقل ماں کے کہنے سے ذرا کے ذرا لیٹ گیا۔ محمودہ بھائی کو لیٹا دیکھ کر پنکھا جھلنے لگی کچھ تو عید گاہ آنے جانے کی تکان' ادھر پنکھے کی ٹھنڈی ہوا' اور ماں نے جو دستِ شفقت سر پر پھیرا تو سب سے زیادہ اس کی راحت۔ غرض محمد عاقل سو گیا۔ جاگا تو دن ڈھل چکا تھا اور وہ غصہ بھی دھیما ہو گیا تھا۔

ماں نے کہا ''لو ہاتھ منہ دھوؤ۔ وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھو۔ وقت تنگ ہے۔ پھر آؤ تو تم کو کام بتائیں۔''

نماز پڑھ کر محمد عاقل آیا تو ماں نے کہا ''لو سسرال جاؤ اور تجھے میری جان کی قسم ہے جو تو وہاں کچھ لڑا یا بولا۔''

محمد عاقل نے کہا ''تو مجھ کو مت بھیجو۔''

ماں نے کہا ''لڑکے' خیر منا۔ الٰہی کیسی بری زبان ہے۔ سسرال تو تیری' اور بھیجوں کسی اور کو۔ لو' یہ ایک روپیہ تو اپنی سالی اصغری کے ہاتھ میں عیدی کا دینا اور یہ ایک اٹھنی اپنی خلیا ساس کے بیٹے میاں مسلم کو اور آدھے کھلونے بھی لیتے جاؤ۔ ایک خوان میں سویا اور دودھ اور مٹھائی کی ٹوکری بھی ماما عظمت کے ہاتھ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ دیکھو' خبردار کچھ بولنا مت۔''

محمد عاقل نے کہا ''اور اماں خنجری اور ڈفلی بھی لیتا جاؤں؟''

ماں نے کہا ''کہیں ایسی بات وہاں مت بول اٹھنا۔''

غرض محمد عاقل ساس کے گھر پہنچے۔ گھر میں اکبری خانم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اودھم مچا رہی تھیں اور باہر گلی میں تمام غل کی آواز چلی آتی تھی۔ ماما عظمت اندر گئی۔ اصغری نے ماما کو دور سے دیکھ کر دبی آواز سے کہا ''اے بی آپا' اے بی آپا' چپ کرو۔ تمہاری سسرال سے ماما آئی ہے۔'' عظمت نے اندر پہنچ کر محمد عاقل کو بلایا'' صاحب زادے' آیئے۔'' غرض محمد عاقل اندر گئے۔ ساس کو سلام کیا۔ انہوں نے کہا ''جیتے رہو' عمر دراز ہو۔'' اتنے میں اصغری بھی اپنی اوڑھنی سنبھال سنبھول کوٹھری سے نکلیں اور نہایت ادب سے جھک کر بہنوئی کو سلام کیا۔ اصغری کو بہنوئی نے ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا اور روپیہ دیا۔ اصغری ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ ماں نے کہا ''کیا ہوا؟ لے لو۔ عیدی کا ہے۔'' اصغری نے روپیہ لے کر پھر سلام کیا اور ادب سے ذرا پرے کو سرک کر ہو بیٹھی۔ پھر اٹھ کر نہایت سلیقے کے ساتھ اجلا دستر خوان بہنوئی کے آگے لا بچھایا اور ایک رکابی میں سویاں' ایک پیالے میں دودھ' طشتری میں قند اور ایک چمچا لا کر سامنے رکھ دیا۔

ساس نے کہا ''بیٹا کھاؤ۔''

محمد عاقل نے عذر کیا کیا مجھ کو عید گاہ میں زیادہ دیر ہو گئی' ابھی تھوڑی دیر ہوئی' میں نے کھانا کھایا ہے۔

ساس نے کہا ''کیا مضائقہ ہے۔ سویاں تو پانی ہوتی ہیں۔ کھاؤ بھی۔''

جب تک محمد عاقل سویاں کھاتا رہا' اصغری الائچی ڈال ایک مزے دار پان بنا لائی۔ کھانے کے بعد ادھر ادھر کی باتیں

ہوتی رہیں۔ تھوڑی دیر بعد محمد عاقل نے کہا ''جناب' میں رخصت چاہتا ہوں۔''

ساس نے کہا ''اب کہاں جاؤ گے؟ یہیں سو رہنا۔''

محمد عاقل: آج عید کا دن ہے۔ آئے گئے سے ملنا ہے۔ دوسرے کہیں کچھ بھیجنا بھجوانا بھی ہے اور امیں اماں سے رات کے واسطے کہہ بھی نہیں آیا۔''

ساس: ملنے کا تو اب وقت نہیں۔ شام ہونے کو آئی۔ اور بھیجنے بھجوانے کو سمدھن کافی ہیں۔ (ہنس کر) تم کچھ سمدھن کا دودھ نہیں پیتے۔ آخر عظمت جائے گی' خبر کر دے گی۔

غرض محمد عاقل نے کچھ حیلے کیئے' ساس نے ایک نہ مانی اور محمد عاقل کو زبردستی رہنا پڑا۔ چار گھڑی رات گئے جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے' اصغری نے برتن بھانڈا' گری پڑی چیز سب ٹھکانے سے رکھی۔ باہر کے دروازے کی زنجیر بند کی۔ کوٹھڑیوں کو قفل لگا کر کنجیاں ماں کے حوالے کیں۔ باہر کے دالان اور باورچی خانے کا چراغ گل کیا۔ ماں اور آپ اور بہنوئی سب کو پان بنا کر دیئے اور اطمینان سے جا کر سو رہی۔

باب پانچواں

الگ گھر کرنے پر ساس (اکبری کی ماں)
اور داماد (محمد عاقل) کا مباحثہ

اب ساس نے محمد عاقل سے کہا ''کیوں بیٹا' تم میاں بی بی میں کیا آئے دن کی لڑائی رہا کرتی ہے؟ اکبری کی تو ایسی بری عادت ہے کہ کبھی بھول کر بھی سسرال کی بات منہ سے نہیں کہتی۔ نہیں تو دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور رہتا ہے کہ سسرال کی ذرا ذرا سی بات ماؤں سے لگایا کرتی ہیں۔ نہیں معلوم اس کو کیا خدا کی سنوار ہے۔ بہتیرا پوچھ پوچھ کر اپنا منہ تھکاؤ' حاشا کہ یہ کچھ بھی بتائے۔ لیکن ٹولے محلے کی بات کانوں کان پہنچ جاتی ہے اور پری لوگوں سے میں بھی گھر بیٹھے سنا کرتی ہوں۔''

محمد عاقل نے ساس سے یہ بات سن کر تھوری دیر تامل کیا۔ لحاظ کے سبب جواب منہ سے نہیں نکلتا تھا۔ مگر اس نے خیال کیا کہ مدت کے بعد ایسا اتفاق ہوا ہے اور خود انہوں نے چھیڑ کر پوچھا ہے۔ ایسے موقع پر سکوت کرنا سراسر خلافِ مصلحت ہے۔ بہتر ہے کہ عمر بھر کا زہر اگل ڈالے۔ شاید آج کی گفتگو میں آئندہ کے واسطے کوئی بات نکل آئے۔

غرض محمد عاقل نے شرماتے شرماتے کہا ''آپ کی صاحبزادی موجود ہیں۔ ان ہی سے پوچھیے۔ ہمارے یہاں ان کو کیا تکلیف پہنچی؟ خاطر داری و مدارت میں کسی طرح کی کمی ہوئی یا ان سے کوئی لڑا یا کسی نے ان کو برا کہا؟ آپ کو معلوم ہے گھر میں ہم گنتی کے آدمی ہیں۔ والدہ سے تمام محلّہ واقف ہے۔ ایسی نیک مزاج اور صلح کل ہیں کہ تمام عمر ان کو کسی سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر کوئی ان کو دس باتیں سخت کہہ بھی جائے تو چپ رہ جاتی ہیں۔ محمد کامل دن بھر لکھنے پڑھنے میں رہتا ہے۔ صبح کا نکلا رات کو گھر آتا ہے۔ کھانا کھایا اور سو رہا میں نے اس کو ان سے کبھی بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔ محمودہ ان کی صورت سے ڈرتی ہے۔ رہا میں تو موجود بیٹھا ہوں جو شکایت ہو' مجھ سے بے تکلف بیان کریں۔''

محمد عاقل کی ساس اب بیٹی کی طرف مخاطب ہو کر بولیں ''ہاں بھائی جو کچھ تمہارے دل میں ہو' تم بھی صاف صاف کہہ گزرو۔ بات کا دل میں رہنا اچھا نہیں ہوتا۔ دل میں رکھنے سے رنج بڑھتا اور فساد زیادہ ہوتا ہے۔''

اکبری اگرچہ جھوٹ بولنے پر بہت دلیر تھی لیکن اس وقت محمد عاقل کے روبرو بات کہتے بن نہ پڑی۔ جی ہی جی میں ڈر رہی تھی کہ میں نے بہت سی جھوٹ جھوٹ باتیں ماں سے آکر لگائی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہیں اس وقت قلعی کھل جائے۔ یہ سوچ کر اس نے اس بات کو ہی ٹال دیا اور کہا کہ ہم تو الگ گھر کریں گے۔

اکبری کی ماں نے داماد سے کہا ''کیوں بھائی، تم کو الگ رہنے میں کیا عذر ہے؟ خدا کا فضل ہے، خود نوکر ہو، خود کماتے ہو، کسی بات میں ماں کے محتاج نہیں، اپنا کھانا، اپنا پہننا پھر دوسرے کا دست نگر ہو کر رہنے سے کیا فائدہ؟ بیٹا بہو کیسے ہی پیارے ہوں پھر بھی جو آرام الگ رہنے میں ہے، ماں باپ کے گھر کہاں۔ جو چاہا سو کھایا جو چاہا سو پکایا اور غور کرنے کی بات ہے ماں باپ کے ساتھ رہ کر لاکھ کماؤ پھر بھی نام نہیں۔ لوگ کیا جانیں تم اپنا کھاتے ہو یا ماں باپ کے سر پڑے ہو۔''

محمد عاقل نے کہا ''آرام پوچھئے تو ہم کو جواب حاصل ہے، الگ ہوئے پیچھے اس کی قدر معلوم ہوگی۔ دونوں وقت پکی پکائی کھالی اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ الگ ہونے پر آٹا، دال، گوشت، ترکاری، تیل، نمک، ایندھن سبھی کا فکر کرنا پڑے گا اور آپ ہی انصاف سے فرمایئے خانہ داری میں کتنے بکھیڑے ہیں۔ بے سبب ان آفتوں کو اپنے سر لینا میرے نزدیک تو عقل کی بات نہیں۔ رہا یہ کہ جو چاہا سو کھایا اور جو چاہا سو پکایا، تو یہ اب بھی حاصل ہے ان ہی سے پوچھئے کبھی کوئی فرمائش کی ہے جس کی تعمیل نہ ہوئی ہو؟ بڑے کنبوں میں البتہ اس طرح کی تکلیف ہوا کرتی ہے۔ ایک دل میٹھے چاول کو چاہتا ہے، دوسروں کو بھونی کھچڑی چاہیے، تیسرے کو پلاؤ درکار ہے، چوتھے کو قورمہ کھانا منظور ہے پانچویں کو پرہیزی کھانا حکیم نے بتایا ہے۔ دس کے واسطے دس ہنڈیاں روز کے روز کہاں سے آئیں؟ ہمارے یہاں کنبہ کون سا بہت بڑا ہے۔ فرمائش کریں تو ہم، نہ کریں تو ہم۔ اس کو بھی جانے دیجئے۔ اگر ان کو ایسا ہی لحاظ ہے تو آپ کھانے کا اہتمام کیا کریں۔ خود والدہ کئی مرتبہ کہہ چکی ہیں۔ ان ہی سے پوچھئے کہا ہے یا نہیں؟ اور نام کو جو آپ نے فرمایا تو یہ میرے نزدیک محض خیالِ خام ہے۔ اپنے آرام سے کام ہے لوگ جو چاہیں سو سمجھیں۔ اور فرض کیجئے لوگوں نے یہی جانا کہ ہم ماں باپ کے سر ہیں تو اس میں ہماری کیا بے عزتی ہے؟ ماں باپ ہیں، کوئی غیر تو نہیں ماں باپ نے ہم کو پالا، پرورش کیا، کھلایا، پہنایا، پڑھایا، لکھایا، شادی بیاہ کیا۔ ان سب باتوں میں بے عزتی نہیں ہوئی تو اب کون سا سرخاب کا پر ہم میں لگ گیا ہے کہ ان کا دست نگر ہونا ہماری بے عزتی کا موجب سمجھا جائے؟''

ساس نے جواب دیا ''اگر سب تمہاری طرح سمجھا کریں تو کیوں الگ ہوں؟ دنیا کا دستور ہے، ہوتی چلی آتی ہے اور ہوتی چلی جائے گی کہ بیٹے ماں باپ سے جدا ہو جاتے ہیں اور میں تو جانتی ہوں دنیا میں کوئی بہو ایسی نہ ہوگی جس کا میاں کمائے اور وہ ساس نندوں میں رہنا پسند کرے۔''

محمد عاقل نے کہا ''یہ آپ کا فرمانا درست ہے۔ اگر بیٹے ماں باپ سے جدا نہ ہوا کرتے تو شہر میں اتنے گھر کہاں سے آتے۔ لیکن ہر ایک کی حالت جدا ہے۔ الگ ہو کر رہنا میری حالت کے لیے ہرگز مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ دس روپے کا تو میں نوکر۔ اتنی آمدنی میں الگ گھر کا سنبھالنا نہایت مشکل نظر آتا ہے اور پھر اس نوکری کا بھی اعتبار نہیں۔ خدانخواستہ الگ

ہوئے پیچھے نوکری جاتی رہی تو پھر باپ کے گھر آنا مجھ پر نہایت شاق ہوگا۔ اس وقت البتہ بے عزتی ہوگی کہ میاں الگ تو ہوگئے تھے پھر جھک مار کر باپ کے ٹکڑوں پر آپڑے۔ لوگوں کی ریس اس معاملے میں ٹھیک نہیں۔ آدمی کو اپنے حال پر نظر کرنی چاہیے۔ وہ نقل آپ نے سنی ہے کہ ایک شخص نے بازار سے نمک اور روئی مول لی۔ نمک خچر پر لادا اور روئی گدھے پر۔ راہ میں ایک ندی واقع ہوئی۔ ندی تھی پایاب۔ اس شخص نے خچر اور گدھے دونوں کو لدالدایا پانی میں اتار دیا۔ بیچ ندی میں پہنچ کر خچر نے غوطہ لگایا۔ تھوڑی دیر بعد سر ابھارا تو گدھے نے پوچھا ''کیوں یار خچر یہ تم نے کیا کیا؟'' خچر نے جواب دیا ''بھائی، تم بڑے خوش قسمت ہو۔ تم پر لدی ہے روئی۔ اس کا بوجھ ہے ہلکا۔ مجھ کم بخت پر ہے نمک۔ بوجھ کے مارے میری کمر کٹ کر لہولہان ہوگئی ہے۔ یہ ہمارا مالک ایسا بے رحم ہے کہ اس کو مطلق ہماری تکلیف کا خیال نہیں۔ اناپ شناپ جتنا چاہے لاد دیتا ہے۔ میں نے سمجھا کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے کمر نا درد ہے۔ آؤ غوطہ لگاؤ۔ نمک پانی میں بھیگ کر کچھ تو گھل جائے گا۔ جس قدر ہلکے ہوئے، غنیمت۔ مالک بہت کرے چھ سات ڈنڈے اور مار لے گا۔ سو یوں بھی راہ بھر ڈنڈے کھاتا آیا ہوں۔ دیکھو اب میرا بوجھ آدھا رہ گیا ہے۔'' گدھے بیوقوف نے بھی خچر کی ریس کر کے غوطہ لگایا۔ روئی بھیگ کر اور وزنی ہوگئی۔ سر ابھارا تو ہلا نہ جاتا تھا۔ خچر ہنسا اور کہا کیوں بھائی گدھے، کیا حال ہے؟ گدھے نے کہا ''یار میں تو مرا جاتا ہوں۔'' خچر نے کہا ''اے احمق، تو نے میری ریس تو کی لیکن اتنا تو سمجھ لیتا کہ تیری پیٹھ پر روئی ہے نمک نہیں۔'' اماں جان، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی ریس کرنے سے میرا حال اس گدھے کا سا ہو۔''

ساس نے کہا ''بھائی تم تو کسی سے قائل ہونے والے ہو نہیں اور نہ میں تمہاری طرح منطق پڑھی ہوں۔ میں تو سیدھی بات یہ جانتی ہوں کہ دس روپے مہینا تم کماتے ہو۔ خدا کا فضل ہے۔ سستا سماں ہے۔ بال بچے نہیں۔ اللہ رکھے، دو میاں بی بی۔ خاصی طرح گوشت روٹی کھاؤ، نین سکھ تن زیب پہنو۔ آئندہ کا فکر تمہاری طرح کیا کریں تو دنیا کا کارخانہ بند ہو جائے۔ نوکری تو نوکری، زندگی کا اعتبار نہیں۔ جتنے دن جینا ہے، ہنسی خوشی سے تیر کر دینے چاہئیں۔''

محمد عاقل نے کہا ''یہی تو میں سوچتا ہوں خوشی الگ ہو کر رہنے میں ہے یا ساتھ میں؟''

ساس نے کہا ''دلیل اور حجت سے کیا مطلب؟ سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ مجھ کو ماں سے الگ ہونا منظور نہیں ہے۔ ایک بات تم سے بی بی نے کہی اس کو قبول کرنے میں تم کو اس بلا کا تامل ہے اور پھر کہتے ہو کہ ہم ان کی خاطر داری میں کمی نہیں کرتے۔ آرام اور خوشی کیا چیز ہے؟ جس میں بی بی خوش ہو اور جس کو وہ آرام سمجھے۔''

اس کے بعد باتوں میں رنجش و تراوش ہونے لگی۔ محمد عاقل نے سکوت اختیار کیا۔ رات بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ محمد عاقل نے ساس سے کہا ''اب آپ آرام کیجیے میں اس مضمون کو پھر سوچوں گا۔'' یہ لوگ تو سو رہے، محمد عاقل رات بھر اسی خیال کی

ادھیڑ بن میں لگا رہا۔ صبح کو اٹھا تو دیکھا کہ اصغری جھاڑو دے رہی ہے اس کو دیکھ کر اصغری نے سلام کیا اور کہا ''بھائی صاحب وضو کے واسطے گرم پانی موجود ہے۔''

محمد عاقل نے کہا ''نہیں بھائی' مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔''

اصغری نے کہا ''بھائی صاحب' چلے نہ جایئے گا۔ آپ کے واسطے چائے بنائی ہے۔ لیکن سادی پیجئے گا یا دودھ کی؟''

محمد عاقل نے کہا ''جیسی مل جائے۔''

اصغری بولی ''آپ کی آواز کچھ بھاری بھاری لگتی ہے۔ شاید نزلے کی تحریک ہے۔ دودھ ضرر کرے گا۔''

محمد عاقل نے کہا ''نزلے کی تحریک تو نہیں۔ رات کو اماں جان کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔ بدخوابی البتہ ہے۔''

محمد عاقل نماز پڑھ کر واپس آیا تو دیکھا کہ ساس نماز سے فارغ ہو کر پان کھا رہی ہیں۔ سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اصغری نے سینی لا کر سامنے رکھ دی۔ چائے دان میں گرما گرم چائے' دو پیالیاں' دو چمچے اور ایک طشتری میں قند۔ محمد عاقل نے چائے پی۔ خوش ذائقہ' رنگ' بوباس درست۔ پی کر جی باغ باغ ہو گیا۔ اکبری حسبِ عادت پڑی سوتی تھی۔ محمد عاقل نے کہا ''اماں جان ان کو بھی نماز کی تاکید کیجئے۔''

ساس نے کہا ''بیٹا یہ اپنی نانی کی بہت چہیتی ہیں۔ ان کی محبت نے ان کی خصلت' ان کی عادت' سب خراب کر رکھی ہے۔ جب یہ چھوٹی تھیں اور میں کسی بات پر گھرک بیٹھتی تو کئی کئی دن مجھ سے بولنا چھوڑ دیتی تھیں۔ اور یہ تو کیا مجال تھی کہ اکبری کو کوئی ہاتھ لگا دے۔ اکبری بات بات پر ضد کرتیں' چیزوں کو توڑتی پھوڑتیں۔ ان کے ڈر کے مارے کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ اسی بات پر اکبری کے باپ سے روز بگاڑ رہتا تھا۔''

محمد عاقل رخصت ہونے لگا۔ چلتے چلتے ساس نے کہا ''بیٹا' رات کی بات یاد رکھنا اور ضرور اس کا کچھ بندوبست کرنا۔''

باب چھٹا

ماں سے محمد عاقل کے الگ ہونے کی صلاح

راہ میں محمد عاقل رات کی ان باتوں کو سوچتا آیا۔ گھر میں پہنچا تو ماں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر فکر معلوم ہوتا ہے۔ سمجھا' ضرور آج سسرال میں لڑا۔ پوچھا ''محمد عاقل' آخر میرے کہنے پر عمل نہیں کیا۔''

محمد عاقل: اماں' سچ کہتا ہوں' لڑائی بھڑائی کچھ بھی نہیں ہوئی۔

ماں: پھر ست کیوں ہے؟

محمد عاقل: کچھ بھی نہیں۔ سوتا اٹھ کر آیا ہوں۔ اس سبب سے شاید آپ کو میرا چہرہ اداس معلوم ہوتا ہوگا۔

ماں: لڑکے! ہوش میں آ۔ تجھ کو سوتا اٹھ کر کبھی تھوڑا ہی دیکھا ہے۔ سچ بتا' کیا بات ہے؟

محمد عاقل نے آخر مجبور ہو کر رات کا تمام قصہ ماں کے روبرو بیان کیا۔ سنتے کے ساتھ ہی ماں کو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ لیکن عورت تھی بڑی دانش مند' کہنے لگی ''ہر چند کہ میری تمنا یہ تھی کہ جب تک میرے دم میں دم ہے' تم سب کو اپنے کلیجے سے لگائے رہوں اور تم دونوں بھائی اتفاق سے رہو۔ لیکن میں دیکھتی ہوں تو سامان الٹے ہی الٹے نظر آتے ہیں۔ لو آج میں تم سے کہتی ہوں کہ بیاہ کے بعد دوسرے مہینے سے مزاج دار بہو کا ارادہ الگ گھر کرنا کے ہے۔ تم جو دس روپے مہینے کے مہینے لا کر مجھ کو دیتے ہو' ان کو نہایت ناگوار ہوتا ہے۔ آئے دن میں تمہاری بی بی کی سہیلیوں سے سنتی رہتی ہوں کہ بہو بلی ماروں کے محلے میں مکان لیں گی' زلفن کو ساتھ لے جائیں گی۔ جب تک یہ سب لڑکیاں اکٹھی بیٹھی رہتی ہیں' یہی مشورہ' یہی مذکورہ آپس میں رہا کرتا ہے۔ میں نے تمہاری خلیا ساس کے منہ پر ایک مرتبہ یہ بات بھی رکھ دی تھی کہ مزاج دار بہو کو اگر ہمارے ساتھ رہنا ناگوار ہے تو اپنا کھانا کپڑا الگ کر لیں۔ مگر رہیں اسی گھر میں پھر تمہاری ساس سے معلوم ہوا کہ مزاج دار بہو کو یہ بھی منظور نہیں۔ آدمی بیاہ خوشی اور آسائش کے واسطے کرتا ہے۔ روز کی لڑائی' آئے دن کا جھگڑا نہایت بری بات ہے۔ اگر تمہاری بی بی کو یہی منظور ہے اور الگ رہنے سے ان کی خوشی ہے تو بسم اللہ ہم کو عذر نہیں۔ جہاں رہو' خوش رہو' آباد رہو۔ خدا نے ایک مامتا اولاد کی ہمارے پیچھے لگا دی ہے' سو کبھی تم ادھر کو آنکلے' ایک نظر دیکھ لیا' صبر آ گیا۔ گھر کے دھندے سے چھٹکارا ملا' میں آپ چلی گئی' تم کو دیکھ آئی۔''

یہ کہنا تھا کہ محمد عاقل کا جی بھر آیا۔ بے اختیار رونا شروع کیا۔ سمجھا کہ آج ماں سے جدائی ہوتی ہے۔ ماں بھی روئی۔ تھوڑی دیر بعد عاقل نے کہا ''میں تو الگ نہیں رہوں گا۔ بی بی رہے یا جائے۔''

ماں نے کہا ''ارے بیٹا یہ بھی کہیں ہوتی ہے؟ اشرافوں میں کہیں بی بیاں بھی چھوٹی ہیں؟ تم کو اپنی عمران ہی کے ساتھ کاٹنی ہے۔ ہمارا کیا ہے؟ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ میری صلاح مانو' جووہ کہیں سو کرو۔ ہم نے جس دن سے تمہارا بیاہ کیا' اسی دن سے تم کو الگ سمجھا۔ نہ تم انوکھے بیٹے نہ میں انوکھی ماں۔ کون بیٹا ساری عمر ماں کے ساتھ رہا؟''

محمد عاقل نے اپنے دوستوں سے بھی صلاح پوچھی۔ سب نے یہی کہا کہ رفعِ فساد بہتر ہے اور ساتھ رہنے پر کیا منحصر ہے' ماں سے الگ رہو اور ان کی خدمت و اطاعت کرو۔ جب سب لوگوں نے یہی صلاح دی۔ محمد عاقل نے بھی کہا' خیر الگ رہ کر بھی دیکھ لوں۔ اگر یہ عورت سنبھل جائے اور گھر کو گھر سمجھے' بدمزاجی' نافرمانی' بدزبانی چھوڑ دے تو الگ رہنا عیب نہیں' گناہ نہیں۔ یہی نا کہ خانہ داری کی فکر کرنا پڑے گی اور تنگی سے گزرے گی۔ سو دنیا میں رہ کر فکر سے کسی حالت میں نجات نہیں۔ اب کچھ فکر نہیں تو ہر روز کا فساد بجائے خود عذاب ہے اور تنگیٔ رزق کا اندیشہ بھی بے جا ہے۔ جو مقدر میں ہے' بہر حال پہنچے گا۔ آدمی کی سعی و تدبیر کو اس میں کیا دخل ہے۔ یہ سوچ کر محمد عاقل نے الگ ہونے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ اتفاق سے اسی کے مکان سے متصل ایک مکان بھی خالی تھا۔ ایک روپیہ ماہواری کرائے پر ٹھہرالیا بلکہ سر قفلی دے کر سر خط بھی لکھ دیا۔ کنجی لے لی اور سسرال کہلا بھیجا کہ مکان قرار پا گیا ہے۔ اب آؤ تو نئے مکان میں اٹھ چلیں اور اپنی ماں سے بھی کہہ دیا کہ یہی تارکش والا مکان لے لیا ہے۔ ماں نے جتنا اسباب مزاج دار بہو کا تھا' کپڑوں کے صندوق' برتن' فرش' مسہری' پلنگ سب علیحدہ کوٹھڑی میں رکھوایا۔ شام کو مزاج دار بہو بھی آ پہنچیں۔ صبح کو اٹھ' ماں نے کوٹھڑی کھول' محمد عاقل سے کہا لو بھائی' اپنی چیزیں دونوں میاں بی بی خوب دیکھ بھال لو۔''

محمد عاقل نے کہا ''اماں' تم کیا کہتی ہو؟ کوئی غیر جگہ تھی؟''

ماں نے کہا ''بیٹا' یہ بات نہیں۔ ایسا نہ ہو اٹھانے بٹھانے میں کوئی چیز ادھر ادھر ہو جائے'' اور ماما سے کہا ''عظمت' تم اور ہمسائی یہ سب اسباب تارکش والے گھر میں پہنچا دو۔''

اکبری کی سہیلیاں چنیا' رحمت' زلفن' سلمتی آ پہنچیں اور بات کی بات میں سارا اسباب اٹھا کر ادھر سے ادھر لے گئیں۔

باب ساتواں

اکبری کا الگ گھر اور اس کی بد انتظامی

مزاج دار بہو ہنسی خوشی نئے گھر میں آ کر بسیں۔ تین دن تک دونوں وقت محمد عاقل کی ماں نے کھانا بھیجا۔ چوتھے دن محمد عاقل نے بی بی سے کہا "لو صاحب' اب کچھ کھانے کا بندوبست شروع ہو۔"

مزاج دار نے کہا "سب اسباب بے ٹھکانے پڑا ہے۔ یہ رکھا جائے تو فراغت سے ہنڈیا چولہے کو دیکھوں۔ ابھی تو مجھ کو فرصت نہیں۔"

غرض سات روز تک تنور پر روٹی پکتی رہی۔ رات کو کباب اور دن کو ملائی اور کبھی دہی بازار سے منگواتے اور دونوں میاں بیوی روٹی کھا لیتے۔ آخر محمد عاقل نے روز کہہ کہہ کر مزاج دار سے کھانا پکوایا۔ مزاج دار نے کبھی کھانا پکایا نہ تھا۔ روٹی پکائی تو عجیب صورت کی۔ نہ گول نہ چوکھونٹی۔ ایک کان ادھر نکلا ہوا اور چار کان ادھر۔ کنارے موٹے۔ بیچ میں ٹکیا۔ کہیں جلی کہیں کچی۔ دھوئیں میں کالی۔ اور دال جو پکائی تو دال الگ پانی الگ غرض مزاج دار ایسا لذیذ اور لطیف کھانا پکاتی تھی کہ جس کو دیکھ کر بھوک بھاگ جائے۔ سالن بدرنگ' بدمزہ۔ نمک کبھی زہر اور کبھی پھیکا پانی۔ دو ایک دن تو محمد عاقل نے صبر کیا۔ آخر کار اس نے اپنی ماں کے گھر جا کر کھانا شروع کر دیا۔ مزاج دار نے بھی اپنے آرام کا ٹھکانا کر لیا۔ دونوں وقت بازار سے کچوریاں اور ملائی' کندا' کھویا' ربڑی' کباب منگوا کر کھا لیا کرتی۔ کھانا جو پکتا' زلفن وغیرہ کھا کھا کر موٹی ہوئیں۔ ان بلیوں کے بھاگوں میں چھینکا ٹوٹا۔ لیکن دس روپے مہینے میں یہ چکوتیاں کیوں کر ہو سکتی تھیں' چپکے چپکے اسباب بکنے لگا۔ مگر محمد عاقل کو اصلاً اس کی خبر نہ تھی۔

ایک روز محمد عاقل تو نوکری پر گیا تھا' مزاج دار بہو دوپہر کو سو گئی۔ چنیا جو آئی' اس نے دیکھا' بہو بے خبر سو رہی ہیں۔ اس نے اپنے بھائی میرن کو جا خبر کی۔ وہ بڑا شاطر بدمعاش تھا۔ مزاج دار تو سوتی کی سوتی رہیں۔ میرن آ کر دن دہاڑے تمام برتن چرا کر لے گیا۔ مزاج دار اٹھ کر جو دیکھیں تو گھر میں جھاڑو دی ہوئی ہے۔ کوٹھڑی کو قفل لگا ہوا تھا۔ اس کا اسباب تو بچا' جو چیز اوپر تھی ایک ایک کر کے سب لے گیا۔ اب پانی تک کو کٹورا نہ رہا۔ محمد عاقل نوکری پر سے آیا تو سن کر بہت مغموم ہوا۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ بی بی سے خوب لڑا اور خوب اپنا سر پیٹا۔ آخر رو دھو کر بیٹھ رہا۔ قرض دام کر کے ہلکی ہلکی دو پتیلیاں مول لایا۔ چھوٹے چھوٹے برتن ماں سے مانگ لیے۔ لگن' توا' رکابی ساس نے بھیج دیے۔ غرض کسی طرح کام چل نکلا۔

باب آٹھواں

ایک کٹنی کا اکبری کو ٹھگنا

اتفاق سے ان دنوں ایک کٹنی شہر میں وارد تھی اور ہر جگہ اس کا غل تھا۔محمد عاقل نے بھی بی بی سے کہہ دیا تھا کہ کسی اجنبی عورت کو گھر میں مت آنے دینا۔ان دنوں ایک کٹنی آئی ہوئی ہے۔کئی گھروں کو لوٹ چکی ہے۔لیکن مزاج دار شدت سے بے وقوف تھی۔اس کی عادت تھی کہ ہر ایک سے جلد گھل مل جانا۔ایک دن وہی کٹنی حجن کا بھیس بنا' اس گلی میں آئی۔یہ مکار حجن بے وقوف عورتوں کو پھسلانے کے لیے طرح طرح کے تبرکات اور صدہا قسم کی چیزیں اپنے پاس رکھا کرتی تھی۔تسبیح' خاکِ شفا' زمزمیاں' مدینہ منورہ کی کھجوریں' کوہ طور کا سرمہ' خانہ کعبہ کے غلاف کا ٹکڑا' عقیق البحر اور مونگے کے دانے اور نادِ علی' پنج سورہ اور بہت سی دعائیں۔گلی میں آکر جو اس نے اپنی دکان کھولی تو بہت سی لڑکیاں جمع ہو گئیں۔مزاج دار نے بھی سنا۔زلفن سے کہا ''گلی سے اٹھنے لگے تو حجن کو یہاں بلا لانا۔ہم بھی تبرکات کی زیارت کریں گے۔'' زلفن جا کھڑی ہوئی اور حجن کو بلا لائی۔مزاج دار نے بہت خاطر داری سے حجن کو پاس بٹھایا اور سب چیزیں دیکھیں۔ سرمہ اور نادِ علی دو چیزیں پسند کیں۔حجن نے مزاج دار کو باتوں ہی باتوں میں تاڑ لیا کہ یہ عورت جلد ڈھب پر چڑھ جائے گی۔ایک پیسے کا بہت سا سرمہ تول دیا اور دو آنے کو نادِ علی حوالے کی اور فیروزے کی ایک انگوٹھی تبرک کے طور پر اپنے پاس سے مفت دی۔مزاج دار ریجھ گئی۔اس کے بعد حجن نے سمندر کا حال' عرب کی کیفیت اور دل سے جوڑ کر دو چار باتیں ایسی کیں کہ مزاج دار نے کمال شوق سے سنا اور اس کی طرف ایک خاص التفات کیا۔حجن نے پوچھا ''کیوں بی تمہارے کوئی بال بچہ نہیں؟''

مزاج دار نے ایک آہ کھینچ کر کہا ''ہماری تقدیر ایسی کہاں تھی؟''

حجن نے پوچھا ''بیاہ کو کتنے دن ہوئے؟''

مزاج دار نے کہا ''ابھی برس روز نہیں۔''

مزاج دار کی بے عقلی کا اب حجن کو یقین ہوا اور دل میں کہنے لگی کہ اس نے تو اولاد کا نام سن کر ایسی آہ کھینچی جیسے برسوں کا امیدوار۔حجن نے کہا ''ناامیدی کی بات نہیں۔تمہارے تو اتنے بچے ہوں گے کہ تم سنبھال بھی نہ سکو گی۔البتہ بالفعل اکیلے گھر میں جی گھبراتا ہوگا۔میاں کا کیا حال ہے؟''

مزاج دار نے کہا ''ہمیشہ مجھ سے ناخوش رہا کرتے ہیں۔''

غرض پہلی ہی ملاقات میں مزاج دار نے حجن کے ساتھ ایسی بے تکلفی کی کہ اپنا حال جزو کل اس سے کہہ دیا اور حجن نے

باتوں ہی باتوں میں تمام بھید معلوم کر لیا۔ ایک پہر کامل جگن بیٹھی رہی۔ رخصت ہونے لگی تو مزاج دار نے بہت منت کی کہ اچھی بی جگن اب کب آؤ گی؟ جگن نے کہا ''میری بھانجی موم گروں کے چھتے ہی رہتی ہے اور بہت بیمار ہے۔ اسی کے علاج کے واسطے میں آگرے سے آئی ہوں۔ اس کے دوا معالجے سے فرصت کم ہوتی ہے۔ مگر انشاء اللہ دوسرے تیسرے دن تم کو دیکھ جایا کروں گی۔''

اگلے دن جگن پھر آموجود ہوئی اور ایک ریشمی ازار بند لیتی آئی۔ مزاج دار دور سے جگن کو آتے دیکھ کر خوش ہو گئی اور پوچھا ''یہ ازار بند کیا ہے؟''

جگن نے کہا ''بکاؤ ہے۔''

مزاج دار نے پوچھا ''کتنے کا ہے؟''

جگن نے کہا ''چار آنے کا۔ محلے میں ایک بیگم رہتی ہیں اب غریب ہو گئی ہیں۔ اسباب بیچ بیچ کر گزر کرتی ہیں۔ میں اکثر ان کی چیزیں بیچ دیا کرتی ہوں۔''

مزاج دار اتنا سستا ازار بند دیکھ کر لوٹ ہو گئی۔ فوراً پیسے نکال جگن کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور بہت گڑ گڑا کر کہا ''اچھی بی! جو چیز بکاؤ ہوا کرے پہلے مجھ کو دکھا دیا کرو۔''

جگن نے کہا ''بہت اچھا۔ پہلے تم' پیچھے اور۔''

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوا کیں۔ چلتے ہوئے جگن نے ایک بٹوا نکالا اس میں کپڑے اور کاغذ کی کئی تہوں میں تھوڑی سی لونگیں تھیں۔ ان میں سے دو لونگیں جگن نے مزاج دار کو دیں اور کہا کہ دنیا میں ملاقات اور محبت اس واسطے ہوا کرتی ہے کہ ایک دوسرے کو فائدہ ہو۔ یہ دو لونگیں میں تم کو دیتی ہوں۔ ایک کو تم اپنی چوٹی میں باندھ لو دوسری بہتر تھا کہ تمہارے میاں کی پگڑی میں رہتی۔ پر تمہارے میاں شاید شبہ کریں۔ خیر تکیے میں سی دو اور ان کا اثر آج ہی دیکھ لینا۔ لیکن اتنی احتیاط کرنا کہ پاک صاف جگہ میں رہیں اور اپنے قد کے برابر ایک کلاوہ مجھ کو ناپ دو۔ میں تم کو ایک گنڈا لا دوں گی۔ میں جب حج کو گئی تھی تو اسی جہاز میں ایک بھوپال کی بیگم بھی سوار تھیں۔ شاید تم نے ان کا نام سنا ہو بلقیس جہانی بیگم۔ سب کچھ خدا نے ان کو دے رکھا تھا۔ دولت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ نوکر چاکر لونڈی غلام پالکی نالکی سبھی کچھ تھا۔ ایک تو اولاد کی طرف سے رنجیدہ رہا کرتی تھیں کوئی بچہ نہ تھا دوسرے نواب صاحب کو ان کی طرف مطلق التفات نہ تھا۔ شاید اولاد نہ ہونے کے سبب محبت نہ کرتے ہوں۔ ورنہ بیگم صورت میں چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ اور حسن و دولت پر مزاج ایسا سادہ کہ ہم جیسے ناچیزوں کو برابر بٹھانا اور پوچھنا۔ بیگم کو فقیروں پر پرلے درجے کا اعتقاد تھا۔ ایک دفعہ سنا کہ تین کوس پر کوئی

کامل وارد ہے۔ اندھیری رات میں گھر سے پیادہ پا ان کے پاس گئیں اور پہر تک ہاتھ باندھے کھڑی رہیں۔ فقیروں کے نام کے قربان جایئے۔ ایک مرتبہ جو شاہ صاحب نے آنکھ اٹھا کر دیکھا' فرمایا کہ جا مائی' رات کو حکم ملے گا۔ بیگم کو خواب میں بشارت ہوئی کہ حج کو جا اور مراد کا موتی سمندر سے نکال لا۔ صبح کو اٹھ کر حج کی تیاریاں ہونے لگیں۔ پانسو مسکین بیگم نے آپ کرایہ دے کر جہاز پر سوار کرائے۔ ان میں سے ایک میں بھی تھی۔ ہر وقت کا پاس رہنا' بیگم صاحبہ (الٰہی دونوں جہان میں سرخ رو) مجھ پر بہت مہربانی کرنے لگیں اور سہیلی کہا کرتی تھیں۔ دس دن تک برابر جہاز پانی میں چلا۔ گیارھویں دن بیچ سمندر کے ایک پہاڑ دکھائی دیا۔ ناخدا نے کہا ''کوہ حبشہ یہی ہے۔'' ایک بڑا کامل فقیر اس پر رہتا تھا۔ جو گیا با مراد آیا۔ بیگم صاحب نے ناخدا سے کہا کہ کسی طرح مجھ کو اس پہاڑ پر پہنچا۔ ناخدا نے کہا حضور جہاز تو پہاڑ تک نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ اگر آپ ارشاد کریں تو جہاز کو لنگر کریں اور آپ کو ایک کشتی میں بٹھا کر لے چلیں۔ بیگم نے کہا خیر یہی سہی۔ پانچ عورتیں بیگم کے ساتھ کوہ حبشہ پر گئی تھیں۔ ایک میں اور چار اور۔ پہاڑ پر پہنچے تو عجیب طرح کی خوشبو مہک رہی تھی۔ چلتے چلتے شاہ صاحب تک پہنچے۔ ہو کا مقام۔ نہ آدمی نہ آدم زاد' تن تنہا شاہ صاحب ایک غار میں رہتے تھے۔ کیسی نورانی شکل تھی' جیسے فرشتہ۔ ہم کو دعا دی' بیگم کو بارہ لونگیں دیں اور کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ مجھ سے کہا' چلی جا۔ آگرے اور دلی میں لوگوں کے کام بنا۔ بیٹی' ان بارہ لونگوں میں سے دو لونگیں یہ ہیں۔ ہم سب حج کر کے لوٹے تو نواب صاحب یا بیگم کی بات نہ پوچھتے تھے یا یہ نوبت ہوئی کہ ایک مہینے آگے سے بمبئی میں آ کر بیگم کو لینے کو پڑے تھے۔ جوں ہی بیگم نے جہاز پر سے پاؤں اتارا' نواب صاحب نے اپنا سر بیگم کے قدموں پر رکھ دیا اور رو رو کر خطا معاف کرائی۔ چھ برس میں بھوپال میں حج سے واپس آ کر ٹھہری۔ فقیر کی دعا کی برکت سے لگا تار اوپر تلے اللہ رکھے چار بیٹے بیگم کے میرے رہتے ہو چکے تھے۔ پھر مجھ کو اپنا دیس یاد آیا۔ بیگم سے اجازت مانگی۔ بہت روکا' میں نے کہا کہ شاہ صاحب نے مجھ کو دلی' آگرے کی خدمت سپرد کی ہے۔ مجھ کو وہاں جانا ضرور ہے۔ یہ سن کر بیگم نے چار و ناچار مجھ کو رخصت کیا۔''

دو لونگیں' اس کے ساتھ دو ورق کی حکایت دلچسپ۔ مزاج دار دل و جان سے معتقد ہو گئیں۔ جمن تو لونگیں دے کر رخصت ہوئی۔ مزاج دار بہو نے غسل کر' کپڑے بدل' خوشبو لگائی' ایک لونگ بسم اللہ کر کے اپنی چوٹی میں باندھی اور میاں کے پلنگ کی چادر اور تکیوں کے غلاف بدل' ایک لونگ کسی تکیے میں رکھ دی۔ محمد عاقل جو گھر آیا' بی بی کو دیکھا' صاف ستھری' پلنگ کی چادر بے کہے بدلی ہوئی۔ خوش ہوا اور التفات کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

مزاج دار نے کہا۔ ''دیکھو ہم نے آج ایک چیز مول لی ہے۔'' یہ کہہ کر ازار بند دکھایا۔

محمد عاقل نے کہا ''کتنے کو لیا ہے؟''

مزاج دار نے کہا ''تم آ نکو' کتنے کا ہے۔''

وہ ازار بند خاص لاہور کا بنا ہوا نہایت عمدہ تھا۔ چوڑا چکلا' کلابتوں کے لچھے دار لڑیں۔ محمد عاقل نے کہا'' دو روپے سے کسی طرح کم نہیں۔''

مزاج دار: چار آنے کو لیا ہے۔

محمد عاقل: سچ کہو۔

مزاج دار: تمہارے سر کی قسم' چار ہی آنے کو لیا ہے۔

محمد عاقل: بہت سستا ہے۔ کہاں سے مل گیا؟

مزاج دار: ایک جُحن بڑی نیک بخت ہے۔ بہت دنوں سے گلی میں آیا کرتی ہے۔ کسی بیگم کا ہے بیچنے کو لائی تھی۔

یہ کہہ کر سرمہ' نادعلی' فیروزے کی انگوٹھی بھی مزاج دار نے دکھائی۔ طمع ایسی چیز ہے کہ بڑا سیانا آدمی بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ جنگلی جانور' مینا' طوطا' لعل' بلبل آدمی کی شکل سے بھاگتے ہیں' لیکن دانے کی طمع میں جال میں پھنس جاتے ہیں اور زندگی بھر قفس میں قید رہتے ہیں۔ اسی طرح محمد عاقل اپنا فائدہ دیکھ کر خوش ہوا اور جب مزاج دار نے کہا کہ وہ جُحن بیگم کا تمام اسباب جو بکنے کو نکلے گا' میرے پاس لانے کا وعدہ کر گئی ہے تو محمد عاقل نے کہا ''ضرور دیکھنا چاہیے۔ لیکن ایسا نہ ہو چوری کا مال ہو۔ پیچھے خرابی پڑے۔ ہاں جُحن کوئی ٹھگنی نہ ہو۔''

مزاج دار نے کہا ''خدا خدا کرو! وہ جُحن ایسی نہیں ہے۔''

غرض بات گئی گزری ہوئی۔ محمد عاقل سے جو آج ایسی باتیں ہوئیں' لونگوں پر مزاج دار کا اعتقاد جم گیا۔ اگلے دن زلفن کو بھیج جُحن کو بلایا اور آج مزاج دار بیٹی بنیں اور جُحن کو ماں بنایا۔ رات کے وقت محمد عاقل سے پھر جُحن کا ذکر آیا۔ محمد عاقل نے کہا ''دیکھو' ہوشیار رہنا۔ اس بھیس میں کٹنیاں اور ٹھگنیاں بہت ہوا کرتی ہیں۔'' لیکن طمع نے خود محمد عاقل کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ اتنی موٹی بات وہ نہ سمجھا کہ دو روپے کا مال چار آنے میں کوئی بے وجہ بھی دیتا ہے۔ محمد عاقل کو مناسب تھا کہ قطعاً جُحن کے آنے کی ممانعت کرتا اور سب چیزیں اس کو پھروا دیتا۔ مزاج دار کو اتنی عقل کہاں تھی کہ اس تہہ کو سمجھتی۔ کئی دن کے بعد مزاج دار نے جُحن سے پوچھا'' کیوں بی آج کل بیگم کا کوئی سامان نہیں لاتیں؟''

جُحن نے جان لیا کہ اس کو اچھی چاٹ لگ گئی ہے۔ کہا ''تمہارے ڈھب کی کوئی چیز نکلے تو لاؤں۔'' دو چار دن کے بعد جھوٹے موتیوں کی ایک جوڑی لائی اور کہا ''لو بی' خود بیگم کی نتھ کے موتی ہیں۔ نہیں معلوم ہزار کی جوڑی ہے یا پانچ سو کی۔ پنا مل جوہری کی دکان پر میں نے دکھائی تھی۔ لٹو ہو گیا۔ دو سو روپے زبردستی میرے پلے باندھے دیتا تھا۔ میں بیگم سے

پچاس روپے میں لائی ہوں۔ تم لے لو۔ پھر ایسا مال نہ ملے گا۔''

مزاج دار نے کہا ''پچاس روپے نقد تو میرے پاس نہیں ہیں۔''

جحن نے کہا ''کیا ہوا بیٹی۔ پہنچیاں بیچ کر لے لو۔ نہیں تو آج یہ موتی بک جائیں گے۔'' جحن نے ایسے ڈھب سے کہا کہ مزاج دار فوراً اپنا زیور کا صندوقچہ اٹھا لائی اور جحن کو پہنچیاں نکال حوالے کر دیں۔ جحن نے مزاج دار کا زیور دیکھ کر کہا ''اے ہے! کیسی بے احتیاطی سے زیور مولی گاجر کی طرح ڈال رکھا ہے۔ بیٹی دھگدگی میں ڈورا ڈلواؤ۔ بالی پتے' گلوبند' بازوبند میلے چکٹ ہو گئے ہیں۔ میل سونے کو کھائے جاتا ہے۔ ان کو اجلواؤ۔''

مزاج دار نے کہا ''کون ڈورا ڈلوائے اور کون اجلوا کر لائے۔ ان سے کہتی ہوں تو وہ کہتے ہیں مجھے فرصت نہیں۔''

جحن نے کہا ''اوئی بیٹی! یہ کون سا بڑا کام ہے۔ لو موتی رہنے دو۔ میں ابھی ڈورا ڈلوا دوں' اور جو زیور ملا ہے' نکال دو۔ میں ابھی اجلوا دوں۔''

مزاج دار نے سب زیور حوالے کیا۔ جحن نے کہا ''زلفن کو بھی ساتھ کر دو۔ سنار کے پاس بیٹھی رہے گی۔ میں پٹوے سے ڈورے ڈلواؤں گی۔''

مزاج دار نے کہا ''اچھا۔'' یہ کہہ کر زلفن کو آواز دی۔ آئی تو جحن نے کہا ''لڑکی ذرا میرے ساتھ چل۔ سنار کی دکان پر بیٹھی رہیو۔''

جحن نے زیور لیا۔ زلفن ساتھ ہوئی۔ گلی سے باہر نکل کر جحن نے رومال کھولا اور زلفن سے کہا' لاؤ اجلوانے کا الگ کر لیں اور ڈورا ڈلوانے کا الگ۔ زیور کو الگ کرتے کرتی جحن بولی ''ایں! ناک کی کیل کیا ہوئی؟''

زلفن نے کہا ''اسی میں ہو گی۔ ذرا بھر کی تو چیز ہے۔ اسی پوٹلی میں دیکھو۔''

پھر جحن آپ ہی آپ بولی ''اے ہے! پان دان کے ڈھکنے پر رکھی رہ گئی۔ اری زلفن' دوڑ کر جا۔ جلدی سے لے آ۔''

زلفن بھاگی بھاگی آئی اور دروازے سے چلائی ''بی بی ناک کی کیل پان دان کے ڈھکنے پر رہ گئی ہے۔ جحن نے مانگی ہے۔ جلدی دو۔ جحن گلی کے نکڑ پر دیا بنئے کی دکان کے آگے بیٹھی ہے۔''

یہ کہنا تھا کہ مزاج دار بہو کا ماتھا ٹھنکا۔ زلفن سے کہا ''باؤلی ہوئی ہے؟ کیسی کیل؟ میرے پاس کہیں تھی؟ تو نے دیکھی ہے؟ اری کم بخت! دوڑ۔ دیکھ تو جحن کہیں چلی نہ جائے۔''

زلفن الٹے پاؤں دوڑی گئی۔ جحن کو ادھر ادھر دیکھا' کہیں پتہ نہ تھا۔ مزاج دار سے آ کر کہا' بی جحن کا تو کہیں پتہ نہیں۔ میں بازار تک دیکھ آئی۔ اتنی دیر میں نہیں معلوم کہاں غائب ہو گئی۔''

یہ سن کر مزاج دار سر پیٹنے لگی "ہائے! میں لٹ گئی! ہائے میں لٹ گئی! ارے لوگو! خدا کے لیے دوڑیو۔"

موم گروں کے چھتے تک لوگ دوڑے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کہیں کی بہتی بہاتی مہینے بھر سے کرائے پر آ کر رہی تھی۔ چار دن سے مکان چھوڑ چلی گئی۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ محمد عاقل نے آ کر سنا تو سر پیٹ لیا اور بیوی سے کہا "اری! تو گھر کو خاک سیاہ کر کے چھوڑے گی۔ میں تو تجھ کو پہلے سے جانتا ہوں۔"

مزاج دار نے کہا "چل دور ہو۔ اب باتیں بنانے کھڑا ہوا ہے۔ ازار بند دیکھ کر تو نے مجھ سے کہا تھا کہ بیگم کا اسباب ضرور دیکھنا۔"

غرض خوب مزے کی لڑائی دونوں میاں بی بی میں ہوئی۔ تمام محلّہ جمع ہو گیا۔ بات پر بات چلی تو معلوم ہوا کہ اسی جحن نے کنجی کی گلی میں احمد بخش خان کی بی بی کا تمام زیور اس حیلے سے ٹھگ لیا کہ ایک فقیر سے دونا کرا دوں گی۔ روئی کے کٹرے میں میاں مستیا کی بیٹی سے ایسی محبت بڑھائی کہ اس کا زیور بہانے سے اڑے لے گئی۔ غرض زیور تو کیا گزرا ہوا۔ باتیں بہت سی رہ گئیں۔ برتن چوری جا چکے تھے۔ زیوریوں غارت ہوا۔ ہزار روپے کے موتیوں کی جوڑی جو لوگوں نے دیکھی تو تین پیسے کی تھی۔ تھانے میں اطلاع ہوئی۔ لوگوں نے بطور خود بہت ڈھونڈا جحن کا سراغ نہ ملا پر نہ ملا۔

اکبری کو جہیز میں جو کپڑے ملے تھے، ان کا حال سنیئے۔ جب تک ساس کے ساتھ رہیں، ساس دسویں دن نکال کر دھوپ دے کرتی تھیں۔ شروع برسات میں الگ ہو کر رہیں۔ کپڑوں کا صندوق جس کوٹھڑی میں جس طرح رکھا گیا تھا، تمام برسات گزر گئی، اس کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ وہیں اسی طرح رکھا رہا۔ جاڑے کی آمد میں دولائی کی ضرورت ہوئی تو صندوق کھولا گیا۔ بہت سے کپڑوں کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ چوہوں نے کاٹ کاٹ کر بغارے ڈال دیئے تھے۔ کوئی کپڑا سلامت نہیں بچنے پایا۔

اکبری کا جتنا حال تم نے پڑھا، اس سے تم کو معلوم ہو گا کہ اکبری کو نانی کے لاڈ پیار نے زندگی بھر کیسی مصیبت میں رکھا۔ لڑکپن میں اکبری نے نہ تو کوئی ہنر سیکھا نہ کچھ اس کے مزاج کی اصلاح ہوئی۔ جب اکبری نے ساس سے جدا ہو کر الگ گھر کیا، برتن بھانڈا، کپڑا، زیور سب کچھ اس کے پاس موجود تھا۔ چونکہ خانہ داری کا سلیقہ نہیں رکھتی تھی، چند روز میں تمام مال واسباب خاک میں ملا دیا اور ایک ہی برس میں ہاتھ کان سے ننگی رہ گئی۔ اگر محمد عاقل بھی اس کی طرح احمق اور بدمزاج ہوتا تو شاید ایک دوسرے سے قطع تعلق ہو جاتا، لیکن محمد عاقل نے ہمیشہ عقل و شرافت کو برتا۔ ہم کو اکبری کے اتنے حالات معلوم ہیں کہ اگر ہم سب کو لکھنا چاہیں تو ایسی تین چار کتابیں بنیں مگر اکبری کے حالات پڑھنے سے کبھی تو غصہ آتا ہے اور کبھی طبیعت کڑھتی ہے۔ اس سے اس کے زیادہ حالات لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس کی چھوٹی بہن اصغری کا حال کیوں نہ

لکھیں کہ بات بات پر پڑھنے والوں اور سننے والوں کا سب کا جی خوش ہو جائے۔

باب نواں

اصغری کا بیاہ اور اس کا مختصر حال

یہ لڑکی اپنی ماں کے گھر ایسی تھی جیسے گلاب کا پھول یا آدمی کے جسم میں آنکھ۔ ہر ایک طرح کا ہنر' ہر ایک طرح کا طور سلیقہ اسے حاصل تھا۔ دانائی' ہوشیاری' ادب' قاعدہ' مروّت' نیک دلی' ملنساری' خدا ترسی' حیا' لحاظ سب صفتیں خدا نے اصغری کو عنایت کی تھیں۔ لڑکپن سے اس کو کھیل کود ہنسی اور چھیڑ سے نفرت تھی۔ پڑھنا یا گھر کا کام کرنا۔ کبھی اس کو واہیات بکتے یا کسی سے لڑتے نہیں دیکھا۔ محلے کی جتنی عورتیں تھیں' سب اس کو بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں۔ بے شک زہے قسمت اس ماں باپ کی کہ جن کی بیٹی اصغری تھی اور خوشا نصیب اس گھر کے جس میں اصغری بہو بن کر جانے والی تھی۔ اب خدا کے فضل و کرم سے اصغری کی عمر تیرہ برس کی ہوئی۔ بات تو اس کی محمد کامل سے ٹھیری ٹھہرائی تھی' اب چرچا ہونے لگا کہ مہینا اور دن مقرر ہو جائے۔ ادھر محمد کامل کی ماں اکبری کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ مثل ہے' دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اکبری کے تصور سے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ در پردہ محمد کامل کی ماں کا ارادہ تھا کہ چھوٹے لڑکے کی منگنی کسی اور جگہ کروں کہ محمد عاقل کو کسی طرح معلوم ہو گیا اور اس نے ماں سے کہا ''اماں میں نے سنا ہے کہ تم محمد کامل کی منگنی چھڑانی چاہتی ہو۔''

ماں نے کہا ''کیا بتاؤں' بیٹا۔ بڑی سوچ میں ہوں۔ کیا نہ کرو۔ تم سے میری آنکھ سامنے نہیں ہوتی۔ خدا نے مجھ کو تمہارا گنہگار بنا دیا۔ دیکھئے محمد کامل کی قسمت کیسی ہے۔''

محمد عاقل نے کہا ''اماں' میں سچ کہتا ہوں' اصغری ہزار لڑکیوں میں سے ایک ہے۔ عمر بھر چراغ لے کر ڈھونڈو گی تو اصغری جیسی لڑکی نہ پاؤ گی۔ صورت سیرت دونوں میں خدا نے اس کو لائق فائق بنایا ہے۔ ہرگز اندیشہ مت کرو بسم اللہ کر کے بیاہ ڈالو اور بڑی بہن پر مت خیال کرو یہ تو آپ نے سنا ہو گا۔

نہ ہر زن زن است نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرو

اپنا اپنا مزاج ہے اور اپنی اپنی طبیعت

گل جو چمن میں ہیں ہزار' دیکھ ظفر ہے کیا بہار
سب کا ہے رنگ جدا جدا' سب کی ہے بو الگ الگ

تمہاری بڑی بہو کو لاحول ولاقوۃ اصغری سے کیا نسبت

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اور خدارا تم میری بات کا یقین کرو۔ مجھ کو اپنے بارے میں تم سے ذرا بھی شکایت نہیں۔ اس خیال کو طبیعت سے نکال ڈالو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ کوئی کسی کے دل میں نہیں گھستا۔ ظاہر حال پر سب کی نظر پڑا کرتی ہے اور انجام کی خبر خدا کو ہے۔ یوں تو جس کو بٹھاؤ گی کامل کی بی بی ہوگی۔ تمہاری بھوج ہوگی اور ہماری بھاوج۔ مگر اماں پھر کہتا ہوں کہ اصغری میری جانی بوجھی ہوئی لڑکی ہے۔ وہ شاید بڑی بہو کو بھی ٹھیک کر لے گی۔ ہے تو چھوٹی مگر سارا محلّہ اس کا ادب کرتا ہے اور وہ ہے بھی اسی قابل۔ دیکھو، خدا کے لیے کہیں اصغری کو نہ چھوڑنا۔''

محمد عاقل نے جو اصغری کی اس قدر تعریف کی تو بات پکی ہوگئی۔ غرض دونوں سمدھیانے کی صلاح سے یہ امر قرار پایا کہ بقرعید کے اگلے دن اصل خیر سے نکاح ہو۔ اصغری کا باپ دور اندیش خان پہاڑ پر نوکر تھا۔ اس کو خط گیا۔ خط پہنچتے ہی خاں صاحب کی باچھیں ہی تو کھل گئیں۔ اصغری کو سب بچوں میں بہت چاہتا تھا۔ فوراً رخصت کی درخواست کی۔ جواب صاف ملا۔ بہت زور مارے، ایک نہ چلی۔ جاڑے کی آمد تھی۔ دورہ شروع کو تھا۔ بے چارگی کیا کرتا۔ قہر درویش بر جان درویش۔ چپ ہو کر بیٹھ رہا۔ لیکن بڑا بیٹا خیر اندیش خان تھا۔ پانسو روپے نقد دے کر اس کو گھر روانہ کیا اور سب پس و پیش سمجھا دیا۔ گھر پر زیور، کپڑا، برتن سب پہلے سے موجود تھا۔ خیر اندیش خان نے مکان پر پہنچ کر چاول، گھی، گیہوں، مصالحہ، نمک سب بقدر ضرورت خرید لیا۔ اصغری کے کپڑوں میں مصالحہ ٹکنا شروع ہوا۔ ماں کا ارادہ تھا کہ اصغری کو بڑی بہن سے بڑھ چڑھ کر جہیز ملے۔ جوڑے بھی اس کے زیادہ ہوں۔ برتن بھی استعمال کے وزنی دیئے جائیں۔ زیور کے عدد بھی زیادہ ہوں۔ اصغری آخر اسی گھر میں رہتی تھی۔ جو بات ہوتی اس کو ضرور معلوم ہو جاتی۔ جب اصغری نے سنا کہ مجھ کو آپا سے زیادہ جہیز ملنے والا ہے تو اس کو رنج ہوا اور اس فکر میں ہوئی کہ کسی تدبیر سے اماں کو منع کر دوں۔ آخر اپنی خالہ زاد بہن تماشا خانم سے شرماتے شرماتے کہا ''میں نے ایسا سنا ہے۔ مجھ کو اس نہایت سوچ لگا ہے۔ کئی دن سے نہایت فکر میں تھی۔ الٰہی کیا کروں! اچھا ہوا تم آنکلیں۔ بوجہ ہم عمری تم سے کہنے میں تامل نہیں۔ کوئی اماں کو اتنی بات سمجھا دے کہ مجھ آپا سے زیادہ ایک چیز نہ دیں۔''

تماشا خانم نے سن کر کہا ''تم بھی بوا کوئی تماشے کی عورت ہو۔ وہی کہاوت ہے 'گدھے کو نون دیا' اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ خدا دلواتا ہے۔ تم کیوں انکار کرو؟''

اصغری نے کہا ''تم دیوانی ہو۔ اس میں کئی قباحتیں ہیں۔ آپا کے مزاج سے تم واقف ہو۔ ان کو ضرور رنج ہوگا۔ ناحق

اماں سے بدمزگی ہوگی۔ مجھ سے بھی ان کو بدگمانی پیدا ہوگی۔"

تماشا خانم نے کہا "بوا اس میں بدمزگی کی کیا بات ہے؟ اپنی اپنی قسمت ہے۔ اور سمجھنے کو سو طرح کی باتیں ہیں۔ ان کی بسم اللہ کی شادی ہوئی۔ روزہ کشائی ہوئی۔ چار برس تک منگنی رہی۔ تیز تیوہار ان کا کون سا نہیں ہوا؟ ان کی کسر ادھر سمجھ لیں۔"

اصغری نے کہا "سچ ہے' مگر نام تو جہیز کا ہے۔ چھوٹی کو زیادہ ملے گا تو بڑی کو رنج ہو گا ہی۔ ایک محلے کا رہنا' روز کا ملنا ملانا۔ جس بات سے دلوں میں فرق پڑے' وہ کیوں کی جائے؟"

تماشا خانم نے کہا "بہن ناحق تم اپنا نقصان کرتی ہو۔ اجی' مہینے دو مہینے میں سب بھول جائیں گے۔"

اصغری نے کہا "اے بی' اللہ اللہ کرو۔ نفع نقصان کیسا؟ کہیں ماں باپ کے دینے سے پوری پڑتی ہے اور جہیز سے عمریں کٹتی ہیں؟ خدا اپنی قدرت سے دے۔ تم اس بات میں اصرار مت کرو۔ نہیں تو میں کوئی دوسری تدبیر کروں گی۔"

غرض اصغری کی ماں تک یہ بات پہنچ گئی اور وہ بھی سوچ کر اپنے ارادے سے باز رہیں۔ دل میں کہنے لگیں "دینے کے سو ڈھب ہیں۔ دوسری جگہ سمجھ لوں گی۔" الغرض روزِ مقررہ کو ساعتِ نیک میں نکاح ہو گیا۔ مبارک سلامت ہونے لگی۔ خیر اندیش خاں ایسا منتظم آدمی تھا کہ اکیلے نے نہایت خوبی کے ساتھ بہن کا بیاہ کر دیا۔ باراتیوں کی مدارات اعلیٰ قدرِ مراتب خوب ہوئی۔ حق حقوق والوں کو خاصی طرح راضی کر دیا۔ جب اصغری کی رخصت کا وقت آ پہنچا' گھر میں آفت برپا تھی۔ ماں پر تو نہایت درجے کا صدمہ تھا۔ محلے کی بیبیوں کا یہ حال تھا کہ آ آ کر اصغری کو گلے سے لگا کر روتی تھیں۔ اور ہر ایک کے دل سے دعا نکلتی تھی۔ اصغری ان دعاؤں کا بڑا بھاری جہیز لے کر سسرال میں داخل ہوئی۔ وہاں کی جو رسمیں تھیں' ادا ہوئیں۔ رونمائی کے بعد اصغری خانم کو تمیز دار بہو کا خطاب ملا۔ آگے چل کر تم کو معلوم ہو جاءیگا کہ اصغری خانم نے خانہ داری کو کس طرح سنبھالا' کیا کیا مشکلیں اس کو پیش آئیں اور اس نے اپنی عقل سے کیوں کر ان کو رفع کیا۔

ذرا اصغری کی حالت کا اکبری کی حالت سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اصغری ماں کی دوسری بیٹی اور ساس کی دوسری بہو تھی۔ دونوں طرف ارمان اور حوصلے اکبری کے بیاہ میں نکل چکے تھے۔ اکبری سولہ برس کی بیاہی گئی تھی اور اصغری بیاہ کے وقت پوری تیرہ برس کی بھی نہ تھی۔ جب اکبری کا بیاہ ہوا اس کا دولہا محمد عاقل دس روپے کا نوکر تھا اور اصغری کا دولہا محمد کامل ہنوز پڑھ رہا تھا۔ محمد عاقل کی نسبت محمد کامل کم علم اور کم عقل تھا۔ اکبری کامل دو برس تک بچوں کے بکھیڑے سے آزاد رہی اور اصغری کو خدا نے بیاہ کے دوسرے برس ہی چھوٹی سی عمر میں ماں بنا دیا۔ اکبری کو کبھی شہر سے باہر نکلنے کا اتفاق نہیں ہوا' اصغری برسوں سفر میں رہی۔ پس بہر حال' اصغری کی حالت اکبری کے مقابلے میں اچھی نہ تھی مگر اصغری کی چھٹپن سے

تربیت ہوئی تھی۔ روز بروز گھر میں برکت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اکبری کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور خانم کے بازار میں تمیز دار بہو کا وہ عالی شان محل کھڑا ہے کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے اور اصغری خانم کے نام ہی سے وہ خانم بازار مشہور ہوا۔ جوہری بازار میں وہ اونچی مسجد جس میں حوض اور کنواں ہے' تمیز دار بہو ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ خاص بازار سے آگے بڑھ کر لال ڈگی کی بغل میں تمیز گنج اسی کا ہے۔ مولوی محمد حیات کی مسجد میں اب تک بیس مسافروں کو اس کے لنگر خانے سے خمیری روٹی اور چنے کا قلیہ دونوں وقت پہنچا کرتا ہے۔ قطب صاحب میں اولیاء مسجد کے برابر سرائے اسی تمیز دار بہو کی بنوائی ہوئی ہے۔ رمضان کے رمضان فتح پوری میں بمبئی کے چھاپے پانسو قرآن اسی کی طرف سے تقسیم ہوا کرتے ہیں۔ ہزار کمبل آتے جاڑے میں مسکینوں کو اس کے گھر سے ملتے ہیں۔

جب خیر اندیش خان نے اپنے باپ دوراندیش خاں کو اطلاع کی کہ خدا کے فضل و کرم سے خیر و خوبی کے ساتھ ہمشیرہ عزیزہ کا عقد ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ مہرِ فاطمہؓ پر ہو گیا' دوراندیش خان نے دو رکعت نماز نفل شکرانہ ادا کی۔ لیکن بیٹی کی مفارقت کا قلق بہت دنوں تک رہا۔

باب دسواں

بیاہی ہوئی لڑکیوں کے لیے عمدہ نصیحت

اصغری کے نام شادی ہو جانے کے بعد دور اندیش خان نے جو خط لکھا' وہ دیکھنے کے لائق ہے۔ اتفاق سے ہم کو اس کی نقل ہاتھ آ گئی تھی۔ وہ خط یہ ہے:۔

آرامِ دل و جانم برخوردار اصغری خانم سلمہا اللہ تعالیٰ۔ دعا اور اشتیاقِ دیدہ بوسی کے بعد واضح ہو کہ تمہارے بھائی خیر اندیش کے لکھنے سے تمہاری رخصت کا حال معلوم ہوا۔ برسوں سے یہ تمنا دل میں تھی کہ اس فرض کو میں اپنے اہتمامِ خاص سے ادا کروں مگر حاکم نے رخصت نہ دی۔ مجبور رہا۔ یہ بات تم پر ظاہر ہوئی ہو گی کہ سب بچوں میں تم سے مجھ کو ایک خاص طرح کا انس تھا اور میں اس بات کو بطور اظہار احسان نہیں لکھتا بلکہ تم نے اپنی خدمت گزاری اور فرماں برداری سے خود میرے اور سب کے دل میں جگہ پیدا کی تھی۔ آٹھ برس کی عمر سے تم نے میرے گھر کا تمام بوجھ اپنے سر پر اٹھا رکھا تھا۔ مجھ کو ہمیشہ یہ بات معلوم ہوتی رہی کہ تمہارے سبب بیگم یعنی تمہاری ماں کو بڑی بے فکری حاصل ہے۔ جب کبھی اس اثناء میں مجھ کو گھر جانے کا اتفاق ہوا' تمہارا انتظام دیکھ کر ہمیشہ میرا جی خوش ہوا۔ اب تمہارے رخصت ہو جانے سے ایسا نقصان ہوا کہ اس کی تلافی شاید اس عمر میں ہونے کی مجھ کو امید نہیں ہو سکتی۔ خدا تم کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کے صلے میں میری دعاؤں کا اثر تم پر ظاہر ہو۔ خیر اندیش خان کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تم نے اکبری خانم سے زیادہ جہیز نہیں لینا چاہا۔ اس سے تمہاری بلند نظری اور عالی ہمتی ثابت ہوتی ہے۔ مگر میں اس کا نعم البدل بھیجتا ہوں۔ وہ یہ خط ہے۔ اس کو تم بطور دستور العمل کے اپنے پاس رکھو اور ان نصیحتوں پر عمل کرو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر ایک مشکل تم پر آسان ہو گی اور اپنی زندگی آرام و آسائش میں بسر کرو گی۔

سمجھنا چاہیے کہ بیاہ کیا چیز ہے۔ بیاہ صرف یہی بات نہیں کہ رنگین کپڑے پہنے' مہمان جمع ہوئے' مال و اسباب و زیور پایا۔ بلکہ بیاہ سے نئی دنیا شروع ہوتی ہے۔ نئے لوگوں سے معاملہ کرنا اور نئے گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ جس طرح پہلے بچھڑوں پر جوا رکھا جاتا ہے' آدمی کے بچھڑوں کو جوا بیاہ ہے۔ بیاہ ہوا' لڑکی بی بی بنی' لڑکا میاں بنا۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ دونوں کو پکڑ کر دنیا کی گاڑی میں جوت دیا۔ اب یہ گاڑی قبر کی منزل تک ان کو کھینچنی پڑے گی۔ پس یہ بہتر ہے کہ دل کو مضبوط کر کے اس مہم کا سرانجام کیا جائے اور زندگی کے دن جس قدر رہوں' عزت' آبرو' صلح کاری' اتفاق سے کاٹ دیئے جائیں۔ ورنہ لڑائی بھڑائی' جھگڑے' بکھیڑے' شور و شر' فساد اور ہائے واویلا سے دنیا کی مصیبت اور بھی زیادہ تکلیف دہ

ہوتی ہے۔

اب تم کو' اے میری پیاری بیٹی' اصغری خانم' سوچنا چاہیے کہ میاں بی بی میں خدا نے کتنا فرق رکھا ہے۔ مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیہ السلام بہشت میں اکیلے گھبرایا کرتے تھے۔ ان کے بہلانے کو خدا نے حضرت حوا کو جو سب سے پہلی عورت دنیا میں ہو گزری ہیں' پیدا کیا۔ پس عورت کا پیدا کرنا صرف مرد کی خوش دلی کے واسطے تھے اور عورت کا فرض ہے' مرد کو خوش رکھنا۔ افسوس کہ دنیا میں کس قدر کم عورتیں اس فرض کو ادا کرتی ہیں۔ مردوں کا درجہ خدا نے عورتوں پر زیادہ کیا' نہ صرف حکم دینے سے بلکہ مردوں کے جسم میں زیادہ قوت اور ان کی عقلوں میں روشنی دی ہے۔ دنیا کا بندوبست مردوں کی ذات سے ہوتا ہے۔ مرد کمانے والے اور عورتیں ان کی کمائی کو مناسب موقع پر خرچ کرنے والیاں اور اس کی نگہبان ہیں۔ کنبہ بطور کشتی کے ہے اور مرد اس کے ملاح ہیں۔ اگر ملاح نہ ہو تو کشتی پانی کی موجوں میں ڈوب جائے گی یا کسی کنارے پر ٹکر کھا کر پھٹ جائے گی۔ کنبے میں اگر مرد منتظم نہیں تو اس میں ہر طرح کی خرابی کا احتمال ہے۔ کبھی نہیں خیال کرنا چاہیے کہ دنیا میں خوشی صرف دولت سے حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس میں بھی شک نہیں کہ دولت اکثر خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ بہت بڑے اور اونچے گھروں میں لڑائی اور فساد ہم زیادہ پاتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ صرف دولت سے تو خوشی نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے اکثر خاندانوں میں خوشی صرف اتفاق اور صلح کاری کے سبب ہے۔ وہ دال روٹی اور گاڑھے دھوتر میں زیادہ آرام سے ہیں' بہ نسبت نوابوں اور بیگم کے جن کا تمام عیش آپس کی ساسازگاری سے تلخ رہتا ہے۔ اے میری پیاری بیٹی اصغری خانم! اتفاق پیدا کرو اور صلح کاری کو غنیمت جانو۔

اب دیکھنا چاہیے کہ اتفاق کن باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ صرف اس بات سے کہ بی بی اپنے میاں سے محبت کرے بلکہ محبت کے علاوہ اس کو میاں کا ادب کرنا بھی لازم ہے۔ بڑی نادانی ہے اگر بی بی میاں کو برابر کے درجے میں سمجھے۔ بلکہ اس زمانہمیں عورتوں نے ایسا خراب دستور اختیار کیا ہے جو ادب کے بالکل خلاف ہے۔ جب چند سہیلیاں آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتی ہیں تو اکثر یہ تذکرہ ہوتا ہے کہ فلانی کا میاں اس کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ رکھتا ہے۔ ایک کہتی ہے ''بوا' میں نے تو یہاں تک ان کو دبایا ہے کہ کیا مجال جو میری بات کو کاٹیں یا الٹ کر جواب دیں۔'' دوسری فخر کرتی ہے۔ ''جب تک گھڑیوں خوشامد نہ کریں میں کھانا نہیں کھاتی۔'' تیسری بڑائی مارتی ہے ''میں تو دس مرتبہ پوچھتے ہیں تب ایک جواب مشکل سے دیتی ہوں۔'' چوتھی ڈینگ کی لیتی ہے ''چاہے وہ پہروں نیچے بیٹھے رہیں' بندی کو پلنگ سے اترنا قسم ہے۔'' پانچویں شیخی بگھارتی ہے ''جو میری زبان سے نکلتا ہے' پورا کرا کے رہتی ہوں۔'' شادی بیاہ کے ٹونے ٹوٹکے بھی اس غرض سے نکلے ہیں کہ میاں مطیع وفرماں بردار رہے۔ کہیں تو دلہن کی جوتی پر کاجل پاڑ کر میاں کے سرمہ لگایا جاتا ہے۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ عمر بھر جوتیاں کھاتا رہے اور چوں نہ کرے۔ کہیں نہاتے وقت دلہن کے پاؤں کے نیچے بیڑا رکھا جاتا ہے اور میاں کو کھلایا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنے کہ پیروں پڑتا رہے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ عورتیں مردوں کا درجہ اور اختیار کم کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن یہ تعلیم بہت بری ہے اور ہرگز قباحت سے خالی نہیں۔ مردوں کو خدا نے شیر بنایا ہے۔ اگر دباؤ زبردستی سے کوئی ان کو زیر کرنا چاہے تو ناممکن ہے۔ بہت آسان ترکیب ان کو زیر کرنے کی خوشامد اور تابع داری ہے اور جو احمق عورت اپنا دباؤ ڈال کر مرد کو زیر کرنا چاہتی ہے وہ بڑی غلطی میں ہے۔ وہ شروع میں تخمِ فساد بوتی ہے اور اس کا انجام ضرور فساد ہوگا۔ اگرچہ اس کو بالفعل نہیں سمجھتی۔ اصغری خانم! میری صلاح یہ ہے کہ تم گفتگو اور نشت و برخاست میں بھی اپنے میاں کا ادب ملحوظ رکھنا۔ مذہب میں میاں بی بی کے متعلق بہت سے احکام ہیں اور چونکہ تم نے قرآن کا ترجمہ اور اردو کے بہت سے مذہبی رسالے پڑھے ہیں' میں امید کرتا ہوں کہ وہ احکام تھوڑے بہت ضرور تمہارے خیال میں ہوں گے۔ ان احکام کا مجموعہ خانہ داری کے لیے بڑا دستور العمل ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ خدا اور رسول ﷺ کے حکموں کی تعمیل میں تن دہی نہیں کرتے اور انہیں انواع و اقسام کی خرابیاں پیش آتی ہیں۔ میں نے حدیث کی کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر خدا کے سوائے دوسرے کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو پیغمبر صاحب ﷺ فرماتے ہیں کہ بی بی کو حکم دیتا کہ اپنے میاں کو سجدہ کیا کرے۔ بس اسی بات سے تم خیال کرسکتی ہو کہ میاں بی بی میں کیا نسبت ہے۔ اب اس کے ساتھ ملکی رواج کو ملاؤ کہ بی بی نہ تو میاں کو چھوڑ سکتی ہے' نہ بدل سکتی ہے نہ اس سے کسی وقت کسی حال میں بے نیاز ہو سکتی ہے۔ تو سوائے اس کے کہ سچے دل سے آپ اس کی ہو رہے اور اطاعت سے' فرماں برداری سے' خوشامد سے' جس طرح ممکن ہو' اس کو اپنا کر کے' عافیت کی' عزت و آبرو کی زندگی بسر کرے' دوسری تدبیر ہے اور نہ ہونی ممکن ہے۔

کیا وجہ ہے کہ شادی بیاہ ایسے چاؤ سے ہوتا ہے اور چوتھی کے بعد ہی بہو سے ساس نند کا بگاڑ شروع ہو جاتا ہے؟ یہ مضمون غور کے قابل ہے۔

بیاہ کے بعد پہلے تک لڑکا ماں باپ میں رہا اور صرف ان ہی کے ساتھ اس کو تعلق تھا۔ ماں باپ نے اس کو پرورش کیا اور یہ توقع کرتے رہے کہ بڑھاپے میں ہماری خدمت کرے گا۔ بیاہ کے بعد بہو ڈولی سے اترتے ہی یہ فکر کرنے لگی کہ میاں آج ماں باپ کو چھوڑ دیں۔ پس لڑائی ہمیشہ بہو کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔ اگر بہو کنبے میں مل کر رہے اور کبھی ساس کو معلوم نہ ہو کہ بیٹے کو ہم سے چھڑانا چاہتی ہے تو ہرگز فساد پیدا نہ ہو۔ یہ تو سب کوئی جانتا ہے کہ بیاہ کے بعد ماں باپ کے ساتھ تعلق چند روزہ ہے۔ آخر گھر الگ ہوگا۔ میاں بی بی جدا ہو کر رہیں گے۔ دنیا میں یہی ہوتی آئی ہے لیکن نہیں معلوم کم بخت بہوؤں میں بے صبری کہاں کی پڑ جاتی ہے کہ جو کچھ ہونا ہو اسی دم ہو جائے۔ بہوؤں میں ایک عیب چغلی کا ہوتا ہے جو

بنیادِ فساد ہے۔ وہ یہ کہ سسرال کی ذراسی بات آ کر ماں سے لگاتی ہیں اور مائیں خود بھی کھود کر پوچھا کرتی ہیں۔ لیکن اس کہنے اور پوچھنے سے سوائے اس کے لڑائیاں پڑیں اور جھگڑے کھڑے ہوں' کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض بہوئیں اس طرح کی مغرور ہوتی ہیں کہ سسرال میں کیسا ہی اچھا کھانا اور کیسا ہی اچھا کپڑا ان کو ملے' ہمیشہ حقارت سے دیکھتی ہیں۔ ایسی باتوں سے میاں کی دل شکنی ہوتی ہے۔ اصغری اس کی تم کو بہت احتیاط چاہیے۔ سسرال کی ہر ایک چیز قابلِ قدر ہے اور تم کو ہمیشہ کھانا کھا کر اور کپڑے پہن کر بشاشت ظاہر کرنی چاہیے۔ جس سے معلوم ہو کہ تم نے پسند کیا۔ نئی دلہن کو اس بات کا خیال بھی ضرور رکھنا چاہیے کہ سسرال میں بے دلی سے نہ رہے۔ اگرچہ اوپری ہونے کے سبب اجنبی لوگوں میں جی نہیں لگتا؟ لیکن جی کو سمجھانا چاہیے۔ نہ یہ کہ روتے ہوئے گئے' وہاں رہے تو روتے رہے۔ جاتے دیر نہیں ہوئی آنے کا تقاضا شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ انس پیدا کرنے کے واسطے چالوں کا رواج بہت پسندیدہ ہے۔ اس سے زیادہ میکے کا شوق ظاہر کرنا سسرال والوں کو ضرور ناپسند ہوتا ہے۔

گفتگو میں درجہ اوسط ملحوظ رہے۔ یعنی نہ اتنی بہت کہ خودبخود بک بک' نہ اتنی کم کہ غرور سمجھا جائے۔ بہت بکنے کا انجام برا ہوتا ہے۔ جب رات دن کی بکواس ہوگی' ہزاروں طرح کا تذکرہ ہوگا۔ نہیں معلوم کہ کس تذکرے میں کیا بات منہ سے نکل جائے۔ نہ اتنی کم گوئی اختیار کرنا چاہیے کہ بولنے کے واسطے لوگ خوشامد اور منت کریں۔ ضد اور اصرار کسی بات پر زیبا نہیں۔ اگر کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف بھی ہو' اس وقت ملتوی رکھو۔ پھر کسی دوسرے وقت بطرز مناسب طے ہو سکتی ہے۔ فرمائش کسی چیز کی نہ کرنی چاہیے۔ فرمائش کرنے سے آدمی نظروں سے گھٹ جاتا ہے اور اس کی بات ہیٹی پڑ جاتی ہے۔ جو کام ساس نندیں کرتی ہیں تم کو اپنے ہاتھوں سے کرنا عار نہ سمجھنا چاہیے۔ چھوٹوں پر مہربانی اور بڑوں کا ادب ہر دلعزیز ہونے کے واسطے بڑی عمدہ تدبیر ہے۔ اپنا کوئی کام دوسروں کے ذمے نہیں رکھنا چاہیے اور اپنی کسی چیز کو بے خبری سے پڑا نہ رہنے دو کہ دوسرے اس کو اٹھا لیں گے۔ جب دو آدمی چپکے چپکے باتیں کریں' ان سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ پھر ان کی تفتیش بھی مت کرو کہ یہ آپس میں کیا کہتے تھے اور خواہ مخواہ یہ بھی مت سمجھو کہ کچھ ہمارا ہی تذکرہ تھا۔ اپنا معاملہ شروع سے ادب لحاظ کے ساتھ رکھو۔ جن لوگوں میں بہت جلد حد درجے کا اختلاط پیدا ہو جاتا ہے اسی قدر جلد ان میں رنجش پیدا ہونے لگتی ہے۔ فقط میں چاہتا ہوں کہ تم ہر روز بلا ضرورت بھی اس خط کو کم سے کم ایک دفعہ پڑھ لیا کرو تاکہ اس کا مطلب پیشِ نظر رہے' والدعا۔

حررّہ

خیر اندیش خان

باپ کا خط پا کر اصغری کے دل میں جوشِ محبت نے عجیب اثر پیدا کیا اور بے اختیار رونے کو جی چاہا۔لیکن نئی بیاہی تھی، سسرال میں رو نہ سکی۔ ضبط کو کام میں لائی اور باپ کے خط کو آنکھوں سے لگا بہت احتیاط سے وظیفے کی کتاب میں رکھ لیا۔ ہر روز و بلا ناغہ اس کو پڑھتی اور اس کے مطلب پر غور کرتی تھی۔

باب گیارھواں

بیاہ کے بعد اصغری کا برتاؤ اور بتدریج

انتظامِ خانہ داری میں اس کا دخل

جب تک اصغری نئی بیاہی ہوئی رہی تو اس کا جی بہت گھبراتا۔ اس واسطے کہ دفعتاً ماں کا گھر چھوڑ کر نئے گھر اور نئے آدمیوں میں رہنا پڑا۔ یہ تو کام اور انتظام کی خوگر تھی' بے شغل ایک گھڑی چین نہ تھا' یا مہینوں بند کوٹھڑی میں چپ چاپ بیٹھنا پا۔ ماں باپ کے گھر میں جو آزادی حاصل تھی' باقی نہ رہی۔ یہاں سسرال میں آتے ہی اس کی ہر ایک بات کو لوگ دیکھنے اور تاکنے لگے۔ کوئی منہ دیکھتا ہے' کوئی چوٹی کی لمبان کو ناپتا ہے' کوئی قد کی اٹھان کو تاڑتا ہے' کوئی زیور ٹٹولتا ہے' کوئی کپڑے پہچانتا ہے۔ کھاتی ہے تو لقمے پر نظر ہے' نوالہ کتنا بڑا لیا' منہ کتنا بڑا کھولا' کیوں کر چبایا اور کس طرح نگلا۔ اٹھتی ہے تو دیکھتے ہیں کہ دوپٹہ کیوں کر اوڑھا۔ پائنچے کس طرح اٹھائے۔ سوتی ہے تو وقت پر نگاہ ہے' کس وقت سوئی' کب اٹھی۔ الغرض جملہ حرکات و سکنات اس کی زیر نظر تھیں۔ ایسی حالت میں اصغری کو سخت تکلیف ہوتی تھی لیکن از بس کہ عاقلہ اور تربیت یافتہ تھی' ایسے سخت امتحان میں کامل نکلی اور سب ادائیں اس کی سسرال والوں کو بھائیں۔ بات کی نہ تو اس قدر بہت کہ لوگ کہیں' لڑکی ہے' چار دن کی بیاہی ہوئی' کس بلا کی بک بک لگا رکھی ہے۔ نہ اتنی کم کہ بدمزاج اور توزے پیٹی سمجھ بیٹھیں۔ کھانا کھایا تو نہ اتنا زیادہ کہ محلے میں چرچا ہو۔ نہ ایسا کہ ساس نندیں سر تھکا کر بیٹھ رہیں اور یہاں اثر نہ ہو۔ سوئی تو نہ اتنا سویرے کہ چراغ میں بتی پڑی' لاڈو میری تخت چڑھی اور نہ اتنی دیر کہ گویا مردوں سے شرط باندھ کو سوئی تھی۔

دستور ہوتا ہے کہ نئی دلہن کو محلے کی لڑکیاں گھیرے رہا کرتی ہیں۔ اصغری کے پاس بھی جب دیکھو دس پانچ موجود۔ لیکن اصغری نے کسی سے خصوصیت پیدا نہ کی۔ اگر کوئی لڑکی تمام دن بیٹھی رہ گئی تو یہ نہ کہا کہ بوا اپنے گھر جاؤ۔ اگر کوئی نہ آئی تو یہ نہ پوچھا کہ بوا تم کہاں تھیں؟ اصغری کے اس طرزِ ملاقات سے رفتہ رفتہ لڑکیوں کا انبوہ کم ہو گیا۔ خصوصاً محلے کی کمینوں کی لڑکیاں تو چاٹ کر آشنا ہوتی ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ نہ تو پان پر پان ملتا ہے نہ کچھ سودے سلف کا چرچا ہے' کھسیانی ہو کر چھ سات دن میں آپ ہی آپ الگ ہو گئیں۔ اصغری نے پہلے ہی اپنی نند محمودہ سے رابطہ بڑھایا۔ محمودہ لڑکی تو تھی ہی' تھوڑے سے التفات میں رام ہو گئی۔ دن بھر اصغری کے پاس گھسی رہا کرتی۔ بلکہ ماں کسی کسی وقت کہہ بھی اٹھتی کہ بھاوج پر اتنی مہربان ہو۔ بڑی بھاوج کے تو سائے سے تم بھاگتی پھرتی تھیں۔ محمودہ اس کا جواب دیتی "وہ تو ہم کو مارتی تھیں۔ ہماری

چھوٹی بھابی جان تو ہم کو پیار کرتی ہیں۔"

محمودہ کی ملاقات سے اصغری نے اپنا کام خوب نکالا۔اول تو تمام گھر بلکہ تمام کنبے اور محلے کا حال محمودہ سے پوچھ پوچھ کر معلوم کیا اور جو بات شروع شروع میں شرم ولحاظ کے سبب خود نہ کہہ سکتی تھی محمودہ کے ذریعے سے کہا کرتی تھی۔اصغری نے گھر کے کام میں بتدریج اس طرح دخل دینا شروع کیا کہ شام کو محمودہ سے روئی منگا کر چراغ کی بتیاں بٹ دیا کرتی۔ ترکاری بنا لیتی۔محمودہ کا پھٹا ادھڑا کپڑا سی دیتی۔ساس اور میاں کے لیے پان بنا دیا کرتی۔شدہ شدہ باورچی خانے تک جانے اور ماما عظمت کو بھوننے بگھارنے میں صلاح دینے لگی۔یہاں تک کہ اصغری کی رائے پر کھانا پکنے لگا۔جب اصغری نے کھانے میں دخل دینا شروع کیا' گھر والوں نے جانا کہ کھانا بھی عجیب نعمت ہے۔پھر تو یہ حال ہو گیا کہ جس دن اصغری کسی وجہ سے ماما عظمت کی صلاح کار نہ ہوتی' کھانا پھکا پھکا پھرتا۔

باب بارھواں

اصغری نے ماما عظمت کی چوری پکڑی
وہ لگی اس سے دشمنی کرنے

ساس بہوؤں کی لڑائی بھی کچھ معمولی بات ہے۔ اصغری یوں لڑنے کے قابل نہ تھی تو اس کا ہنر باعثِ فساد ہوا۔ ماما عظمت اس گھر میں ایسی دخیل کار تھی کہ کاموں کا مدار ایک اس ماما پر تھا۔ سودا سلف' کپڑا غرض جو کچھ بازار سے آتا سب ماما عظمت کے ہاتھوں آتا۔ زیور تک عظمت بنوا کر لاتی۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی تو ماما عظمت کی معرفت لی جاتی۔ غرضیکہ ماما عظمت مردوں کی طرح اس گھر کی منتظم تھی۔ جب سے اصغری نے کھانے میں دخل دیا تو ماما عظمت کا غبن ظاہر ہونے لگا۔ ایک دن پسندوں کے کباب پک رہے تھے اور اصغری باورچی خانے میں بیٹھی ہوئی ماما عظمت کو بتاتی جاتی تھی۔ جب گوشت پس کر تیار ہوا اور دہی مصالحے ملنے کا وقت آیا' اصغری نے ماما سے کہا ''وہی مجھ کو چکھا لو۔ کھٹا اور باسی ہوگا تو کباب بگڑ جائیں گے۔'' ماما نے دہی کا دونا نکال کر اصغری کے ہاتھ میں دیا۔ اصغری نے چکھا تو کھٹا چونا۔ کئی دن کا باسی۔ نیلا نیلا پانی الگ اور دہی کی پھٹکیاں پھٹکیاں الگ۔ اصغری نے کہا ''اے ہے! کیسا برا دہی ہے۔ یہ تو ہرگز کبابوں میں ڈالنے کے لائق نہیں۔ ماما' جلد جاؤ اور ٹکے کا اچھا تازہ میٹھا دہی دیکھ کر لاؤ۔''

ماما نے کہا ''اوئی بیوی! سیر بھر گوشت کے کبابوں میں ٹکے کا دہی! اونٹ کے منہ میں زیرہ کیا ہوگا؟ یہ دہی جو تم نے ناپسند کیا' ایک آنے کا ہے۔''

اصغری کو سن کر حیرت ہوئی۔ بولی کہ ہمارے گھر تو آئے دن کباب پکتے رہا کرتے ہیں۔ ہمیشہ سیر بھر گوشت میں ڈیڑھ پیسے کا دہی پڑتا تھا۔ اس حساب سے تو ٹکے کا میں نے زیادہ سمجھ کر منگوایا کہ کباب خوب نرم اور سرخ ہوں۔''

ماما نے کہا ''بیوی' تم اپنے محلے کا حساب کتاب رہنے دو۔ بھلا کہاں چاندنی چوک اور کہاں ترکمان دروازہ۔ جو چیز چاندنی چوک میں پیسے کی ہے وہ یہاں ایک آنے کی نہیں ملتی۔ یہ خاک ملا محلّہ تو اجڑ گی نگری سونا دیس ہے۔ یہاں ہر چیز کا توڑا ہے۔ ہر شے کا قحط رہتا ہے۔''

چونکہ کھانے میں دیر ہوتی تھی' اصغری یہ سن کر چپ ہو رہی اور ماما سے کہا ''خیر' جتنے کا ملتا ہو' جلد لاؤ۔'' لیکن اصغری ایسی بھولی نہ تھی کہ ماما کی بات کو تسلیم کر لیتی۔ اپنے دل میں کہنے لگی ''دل میں ضرور کچھ کالا ہے دمڑی چھدام فرق ہو تو مضائقہ

نہیں۔ یہ غضب کہ ایک شہر کے دو محلوں میں دگنے چوگنے کا فرق۔‘‘ اس وقت سے اصغری بھی تاک میں ہوئی۔ اگلے دن ماما پان لائی تھی۔ اصغری نے دیکھ کر کہا ’’ماما تم بالکل ہرے پتے اٹھا لاتی ہو۔ ان میں نہ تو لذت ہوتی ہے نہ کچھ مزا ہوتا ہے۔ اب تو جاڑے کی آمد ہے۔ کرارے پکے پان ڈھونڈ کر لایا کرو۔‘‘

ماما نے کہا ’’پکے پکے پان تو پیسے کے دو آتے ہیں اور یہاں اللہ رکھے آدھی ڈھولی روز کا خرچ ہے۔ اس خیال سے میں نئے پان لاتی ہوں۔‘‘

اتنے میں اصغری کے اپنے گھر سے اس کی اپنی ماما کفایت النساء خیر صلاح کی خبر کو آ نکلی۔ پانوں کا تذکرہ تو درپیش تھا ہی اصغری نے اپنی ماما سے پوچھا ’’کیوں بی کفایت النساء! تم کو آج کل کیسے پان ملتے ہیں؟‘‘

کفایت نے کہا ’’بیوی، پیسے کے بارہ۔‘‘

اصغری نے صندوقچہ کھول، دو پیسے کفایت النساء کے ہاتھ میں دیئے اور کہا ’’اسی محلے کے پنواڑی سے پان لے آؤ۔‘‘

کفایت النساء بڑے کرارے دلدار تیس پان لے آئی۔ اصغری نے کہا ’’چاندنی چوک کی نسبت بھی پیسے پیچھے تین پان زیادہ ملے۔‘‘

کفایت النساء نے کہا ’’بیوی، یہ محلّہ شہر کا پھاٹک ہے۔ جو چیز شہر میں آتی ہے، اسی دروازے سے آتی ہے۔ گوشت، اناج، پان، یہ چیزیں اس محلے میں سستی ملتی ہیں۔ البتہ ہری ترکاری سبزی منڈی سے سیدھے کابلی دروازے ہو کر شہر جاتی ہیں۔ وہ کسی قدر مہنگی ملتی ہو گی۔ پرانے پان تیس ملے، نئے لیتی تو چالیس ملتے۔‘‘

اصغری نے کہا ’’یہ نامراد ماما عظمت تو ہر چیز میں یوں ہی آگ لگاتی ہے۔ کفایت النساء تم دو چار دن یہاں رہو۔ میں اماں سے کہلا بھیجوں گی۔ وہاں کا کام دو چار دن میں اور کوئی دیکھ بھال لے گا۔‘‘

کفایت النساء نے کہا ’’بیوی، میں حاضر ہوں۔ خدا نہ کرے، کیا یہاں وہاں دو گھر ہیں۔‘‘

غرض چار دن کفایت النساء کے ہاتھوں ہر طرح کا سودا بازار سے آیا اور ہر چیز میں ماما عظمت کا غبن ثابت ہوا۔ لیکن یہ سب باتیں اس طرح ہوئیں کہ اصغری کی ساس کو خبر تک نہ ہوئی۔ اصغری نے جانا یا کفایت النساء نے یا ماما عظمت نے۔ اس واسطے کہ اصغری بہت مروت اور لحاظ کی عورت تھی۔ اس نے سمجھا کہ اس بڑھیا ماما عظمت کو بدنام اور رسوا کرنے سے کیا فائدہ۔ رات کے وقت کھانے سے فارغ ہو کر کوٹھے پر اصغری پان کھا رہی تھی۔ کفایت النساء بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے میں ماما عظمت آئی۔ کفایت نے کہا ’’کیوں بوا عظمت یہ کیا ماجرا ہے؟ چوری کون نوکر نہیں کرتا۔ دیکھو، یہ گھر والی موجود ہیں۔ سات برس تک برابر ان کی خدمت کی۔ کئی برس سے گھر کا سب کاروبار یہ اٹھائے ہوئے تھیں۔ اللہ رکھے

امیر گھر اور امیری خرچ۔ ہزاروں روپے کا سودا ان ہی ہاتھوں سے آیا۔ حق دستوری یہ کیوں کر کہیں کہ نہیں لیا۔ اتنا لینا تو ہم نوکروں کا دھرم ہے۔ خدا بخشے چاہے مارے لیکن اس سے زیادہ ہضم نہیں ہو سکتا۔ آگے بڑھ کر نمک حرامی میں داخل ہے۔''

عظمت نے کہا ''بوا میرا حال کون نہیں جانتا۔ اب میری بلا چھپائے۔ میں تو چراتی اور لوٹتی ہوں۔ لیکن نہ آج سے بلکہ سدا سے میرا یہی کام ہے۔ ذرا میری حالت پر بھی نظر و کرو کہ اس گھر میں کس بلا کا کام ہے۔ اندر باہر میں اکیلی آدمی۔ چار نوکروں کا کام میرے اکیلے دم پر پڑتا ہے۔ پھر بوا بے مطلب تو کوئی اپنی ہڈیاں یوں نہیں پیلتا۔ بیوی کئی مرتبہ مجھ کو موقوف بھی کر چکی ہیں۔ پھر آخر مجھ ہی کو بلوایا۔ سمجھ کا پھیر ہے۔ کوئی یوں سمجھا کوئی یوں سمجھا۔ چار آدمی کے بدلے میں میں اکیلی ہوں۔ چار کی تنخواہ بھی مجھ کو اکیلی کو ملنی چاہیے۔''

اس ماما عظمت کی حقیقت اس طرح ہے کہ یہ عورت پچیس برس سے اس گھر میں تھی اور ہمیشہ لوٹنے پر اتارو۔ ایک دن کی بات ہو تو چھپ چھپا جائے، آئے دن اس پر شبہ ہوتا رہتا تھا۔ مگر تھی چالاک۔ گرفت میں نہیں آتی تھی۔ کئی مرتبہ نکالی گئی۔ جب موقوف ہوئی، بنئے، بزاز، سنار، قصائی، کنجڑے۔ جن سے ان کی معرفت اچاپت قرض اٹھتی تھی، تقاضے کو آموجود ہوئے۔ اس ڈر کے مارے پھر بلائی جاتی تھی۔ یوں چوری اور سرزوری ماما عظمت کی تقدیر میں لکھی تھی۔ جتا کر لیتی اور بتا کر چراتی۔ دکھا کر نکالتی اور لڑا کر مکر جاتی۔ گھر میں آمدنی کم اور عادتیں بگڑی ہوئیں۔ کھانے میں امتیاز، کپڑے میں تکلف۔ سب کارخانہ قرض پر تھا اور قرض کی آڑھت ماما عظمت کے دم سے تھی۔ کھلے خزانے کہتی تھی کہ میرا نکلنا آسان بات نہیں۔ گھر نیلام کرا کے نکلوں گی۔ اینٹ سے اینٹ بجا کر جاؤں گی۔ اصغری نے جو حساب کتاب میں روک ٹوک شروع کی تو ماما عظمت اصغری کی جانی دشمن ہو گئی اور اپنے بچاؤ کے لیے بدلہ لینے کی نظر سے تدبیریں سوچنے لگی اور اس فکر میں ہوئی کہ کامل اور اس کی ماں سے اصغری کو برا بنائے۔ اصغری کو اس کی مطلق خبر نہ تھی بلکہ اصغری نے جب دیکھا کہ ماما گھر کی مختارِ کل ہے، نہ اپنی عادت سے باز آئے گی نہ نکلے گی تو پھر اپنے جی میں کہا کہ پھر ناحق کی جھک جھک سے کیا فائدہ۔ میں مفت میں ماما سے کیوں بری بنو۔ باورچی خانے کا جانا اور کھانے میں دخل دینا موقوف کیا۔ گھر والوں کو اصغری کے ہاتھ کی چاٹ لگ گئی تھی۔ پہلے ہی وقت سے منہ بنانے لگے۔ کوئی کہتا ہے ''اے ہے گوشت منہ میں کچر کچر ہوتا ہے۔'' کوئی کہتا ''دال میں نمک زہر ہو گیا ہے۔ زبان پر نہیں رکھی جاتی۔'' لیکن اصغری سے کون کہہ سکتا تھا کہ تم کھانا پکاؤ۔ مجبوراً جیسا برا بھلا ماما عظمت پکا ریندھ کر رکھ دیتی، کھانا ہی پڑتا تھا۔

باب تیرھواں

اصغری پر ماما کا پہلا وار

ایک دن برسات کے موسم میں بادل گھرا ہوا تھا۔ ننھی ننھی پھوار پڑ رہی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ محمد کامل نے کہا ''آج کڑھائی کو دل چاہتا ہے۔ لیکن بشرطیکہ تمیز دار بہو اہتمام کریں۔'' اصغری کوٹھے پر رہا کرتی تھی۔ اس کو خبر نہیں کہ محمد کامل نے کڑھائی کی فرمائش کی۔ ماما عظمت گھی، شکر، بیسن وغیرہ سامان لے آئی اور کامل سے کہا ''صاحب زادے لیجئے۔ سب سودا تو میں لے آئی۔ جاؤں، بہو صاحب کو بلا لاؤں۔''

کوٹھے پر گئی تو اصغری سے کڑھائی کا کچھ تذکرہ تک نہیں آیا۔ اسی طرح الٹے پاؤں اتر آئی اور کہا ''بہو کہتی ہیں میرے سر میں درد ہے۔'' ماما عظمت سے معمولی کھانا تو پک نہیں سکتا تھا، کڑھائی کیا خاک تلتی۔ سب چیزوں کا ستیاناس ملا کر رکھ دیا۔ کس چاؤ سے تو محمد کامل نے فرمائش کی تھی۔ بد مزہ پکوان کھا کر بہت اداس ہوا۔ کوٹھے پر گیا تو بی بی کو دیکھا، بیٹھی ہوئی اپنا پائجامہ سی رہی ہیں۔ جی ہی جی میں بہت ناخوش ہوا کہ ایں! سینے کو سر میں درد نہیں اور ذرا کڑھائی کو کہا تو دردِ سر کا بہانہ کر دیا۔

یہ پہلی ناخوشی محمد کامل کو اصغری سے پیدا ہوئی۔ اور دستور ہے کہ میاں بی بیوں میں بگاڑ اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ از بس کہ اکثر چھوٹی سی عمر میں بیاہ ہو جاتا ہے، خدا کے فضل سے عقلِ مصلحت اندیش نہ میاں میں ہوتی ہے نہ بی بی میں۔ اگر ذرا سی بات بھی خلافِ مزاج دیکھی تو میاں اپنے کو اکڑائے بیٹھے ہیں اور بی بی الگ منہ اوندھائے لیٹی ہیں۔ اور جب ایک جگہ کا رہنا سہنا ہو تو مخالفت کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بیشتر واقع ہونا کیا تعجب ہے۔ یہ مخالفت کثرت سے ہوتے ہوتے دونوں طرف سے لحاظ اور پاس جاتا ہے اور تمام عمر جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہے۔ سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ میاں بی بی شروع سے اپنا معاملہ دوسروں کے ساتھ صاف رکھیں اور ادنیٰ رنجش کو پیدا نہ ہونے دیں۔ ورنہ یہی چھوٹی چھوٹی رنجشیں جمع ہو کر آخر کو فسادِ عظیم ہو جائیں گی۔ رنجش کو پیدا نہ ہونے دینے کی حکمت یہ ہے کہ جب کوئی ذرا سی بات بھی خلافِ مزاج واقع ہو، اس کو دل میں نہ رکھیں کہ رو در رو کہہ کر صاف کر لیا کریں۔ اگر محمد کامل بی بی سے بطور شکایت پوچھتا کہ کیوں صاحب ذرا سا کام نہ ہو سکا تم سے اور دردِ سر کا بہانہ کر دیا؟ اسی وقت دو چار باتوں میں معاملہ طے ہو جاتا اور ماما عظمت کی فطرت کھل پڑتی لیکن محمد کامل نے منہ پر تو لگائی مہر اور دل میں دفترِ شکایت لکھ چلا۔ اصغری کو محمد ک

امل کی کم اتفاقی سے کھٹکا ہوا اور سمجھی کہ خدا خیر ے کرے! لڑائی کا آغاز نظر آتا ہے۔ ساس کو دیکھا تو ان کو بھی کسی قدر مکدر پایا۔ حیرت میں تھی کہ الٰہی کیا ماجرا ہے!

باب چودھواں

اصغری ماما کا دوسرا وار

ابھی یہ بات طے نہیں ہوئی تھی کہ ماما نے ایک شرارت اور کی۔ رمضان کا قرب تھا۔ محمد کامل کی ماں نے ماما عظمت سے کہا ''ماہ رمضان آتا ہے ابھی سے سب تیاری کر چلو۔ برتن چھوٹے بڑے سب قلعی کرانے ہیں۔ مکان میں برس بھر ہوا سفیدی نہیں ہوئی۔ لالہ ہزاری مل سے کہو کہ جس طرح ہو سکے کہیں سے پچاس روپے دے دے عید کا خرچ سر پر چلا آتا ہے۔''

ماما عظمت بولی ''تمیز دار بہو اپنی ماں کے ہاں مہمان جائیں گی اور سنا ہے تحصیل دار بھی آنے والے ہیں۔ ضرور دونوں بیٹیوں کو بلا بھیجیں گے۔ بلکہ ایک جگہ تو اس بات کا مذکور تھا کہ تمیز دار بہو کا ارادہ ہے کہ باپ کی ساتھ چلی جائیں۔ بہو جائیں گی تو چھوٹے صاحب زادے بھی جائیں گے۔ پھر بیوی تمہارا اکیلا دم ہے۔ مکان میں قلعی ہو کر کیا ہو گی اور برتن قلعی ہو کر کیا ہوں گے؟ ہزاری مل کم بخت ایسا بے مروت ہو گیا ہے کہ ہر روز تقاضے کو اس کا آدمی دروازے پر کھڑا رہتا ہے۔ وہ قرض کیوں کر دے گا۔''

محمد کامل کی ماں یہ سن کر سرد ہو گئی۔ سرد ہونے کی بات ہی تھی۔ میاں تو جس دن سے لاہور گئے' پھر کر گھر کی شکل نہ دیکھی۔ چھٹے مہینے برسوں دن جی میں خیال آ گیا تو کچھ خرچ بھیج دیا ورنہ کچھ سروکار نہیں۔ محمد عاقل ماں سے الگ ہو ہی چکا تھا۔ صرف محمد کامل کا دم گھر میں تھا۔ اس کے گئے پیچھے مطلع صاف تھا۔ محمد کامل کی ماں نے ماما سے پوچھا ''اری' سچ بتا۔ تمیز دار بہو ضرور جائیں گی؟''

ماما بولی ''بیوی جانے نہ جانے کی تو خدا جانے۔ جو سنا تھا کہہ دیا۔''

محمد کامل کی ماں نے پوچھا ''اری کم بخت' کس سے سنا؟ کیوں کر معلوم ہوا؟''

ماما بولی ''سننے کی جو پوچھو تو کفایت النساء سے میں نے دو روپے قرض مانگے تھے اس نے کہا کہ میں دے تو دیتی لیکن پہاڑ پر جانے والی ہوں۔ تب میں نے اس سے حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ سب بات ٹھیک ٹھاک ہو چکی ہے۔ بس اتنی دیر ہے کہ تحصیل دار آئیں' عید کی صبح کو یہ سب روانہ ہو جائیں گے اور سننے پر کیا منحصر ہے' خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہے۔ بیوی' کیا تم کو تمیز دار بہو کے ڈھنگوں سے سمجھ نہیں پڑتا؟ دیکھو' پہلے تو بہو گھر کا کام کاج بھی دیکھتی بھالتی تھیں' اب تو

کوٹھے پر سے نیچے اترنا بھی قسم ہے۔خط پر خط باپ کے نام چلے آتے ہیں۔سوائے جانے کے ایسا کون سا معاملہ ہے؟''

محمد کامل کی ماں یہ حال سن کر سناٹے میں رہ گئی۔اسی سوچ میں بیٹھی تھی کہ محمد کامل باہر سے آیا۔محمد کامل کو پاس بلا کر پوچھا

''محمد کامل'ایک بات پوچھتی ہوں۔سچ سچ بتاؤ گے؟''

محمد کامل نے کہا''اماں' بھلا ایسی کون سی بات ہے جو تم سے چھپاؤں گا؟''

محمد کامل کی ماں نے جو کچھ ماما سے سنا تھا'حرف بحرف محمد کامل سے کہا۔

محمد کامل نے کہا''اماں' میں سچ کہتا ہوں' مجھ کو اس کی مطلق خبر نہیں۔نہ مجھ سے تمیز دار بہو نے اس کا تذکرہ کیا۔''

محمد کامل کی ماں بولی''ہمارے سامنے کا بچہ اور ہم سے ہی باتیں بناتا ہے۔اتنی بڑی بات اور تجھ کو خبر نہیں؟''

محمد کامل نے کہا''تم کو یقین نہیں آتا۔تمہارے سر کی قسم مجھ کو معلوم نہیں۔''

اتنے میں ماما بھی آ نکلی۔محمد کامل کی ماں نے کہا''کیوں بی عظمت'محمد کامل تو کہتا ہے مجھ کو معلوم نہیں۔''

ماما نے کہا''میاں'تم برا مانو یا بھلا مانو۔تمہاری بیوی جانے کی تیاریاں تو کر رہی ہیں۔تم سے شاید چھپاتی ہوں یہ مزاج دار بہو نہیں کہ ان کے پیٹ میں بات نہیں ساتی تھی۔یہ تمیز دار بہو ہیں کہ کسی کو اپنا بھید نہ دیں۔''

محمد کامل کی ماں نے پوچھا''بھلا محمد کامل'یہ بات سچ ہو تو تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

محمد کامل نے کہا''بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ تم کو اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔اور تمیز دار بہو کی بھی ایسی کیا زبردستی ہے کہ بے پوچھے گچھے چلی جائیں گی۔میں آج تمیز دار بہو سے پوچھوں گا کہ کیوں جی کیا بات ہے۔''

محمد کامل کی ماں نے کہا''اس نامراد ماما کی بات کا کیا اعتبار ہے۔ابھی بہو سے کچھ مذکور مت کرو۔جب بات تحقیق ہو جائے گی'اس وقت دیکھا جائے گا۔''

اس طرح کی باتوں سے ماما عظمت اصغری کو ساس اور میاں سے برا بنانے کی فکر میں تھی اور اصغری سے ہر چند کسی نے کچھ کہا سنا نہیں'لیکن وہ بھی ان سب کے قیافے سے سمجھ گئی تھی کہ ضرور کچھ کشیدگی ہے۔اصغری کے پاس محمودہ بڑی جاسوس تھی۔ذرا ذرا سی بات اصغری سے کہتی اور ماما کی بدذاتی بھی سب اصغری پر کھل گئی تھی۔لیکن اصغری ایسی احمق نہ تھی جلد بگڑ بیٹھتی۔وہ اس فکر میں ہوئی کہ اس معاملے میں اپنی طرف سے کچھ کہنا سننا مناسب نہیں۔آخر کبھی نہ کبھی بات کھلے گی۔

اصغری نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا عظمت رہ تو سہی۔انشاءاللہ تعالیٰ تجھ کو بھی کیسا سیدھا بناتی ہوں۔اب یہاں تک تیرے مغز چل گئے ہیں کہ گھر کے گھر میں فساد ڈلواتی ہے۔انشاءاللہ تعالیٰ تجھ کو وہاں ماروں گی کہ پانی نہ ملے'اور ایسا تجھ کو

اجاڑوں گی کہ محلے میں آنا نصیب نہ ہو۔

ماما عظمت کی شامت سر پر سوار تھی تیسرا وار اصغری پر کیا اور صحیح کیا۔

باب پندھواں

اصغری پر ماما کا تیسرا وار

ہزاری مل کو تو عادت تھی کہ جب کبھی ماما عظمت کو اپنی دکان کے سامنے آتے جاتے دیکھتا ادبدا کر چھیڑتا کہ کیوں ماما' ہمارے حساب کتاب کا بھی کچھ فکر ہے؟ اور ساتویں آٹھویں دن گھر پر تقاضا کہلا بھیجتا۔ ایک دن حسب معمول ماما عظمت سودے سلف کو باہر جاتی تھی۔ ہزاری مل نے ٹوکا۔ ماما بولی ''اے لالہ' یہ کیا تم نے مجھ سے آئے دن کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے؟ جب مجھ کو دیکھتے ہو تقاضا کرتے ہو۔ جن کو دیتے ہو' ان سے مانگو۔ ان سے تقاضا کرو۔ میں بے چاری غریب آدمی' ٹکے کی اوقات۔ مجھ سے اور مہاجنوں سے لین دین سے واسطہ؟''

ہزاری مل نے کہا ''یہ بات تم نے کیا کہی کہ مجھ سے واسطہ نہیں؟ دکان سے تو تم لے جاتی ہو۔ ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے۔ ہم تو تم کو جانتے ہیں اور تمہاری ساکھ پر دیتے ہیں۔ ہم گھر والوں کو کیا جانیں۔''

ماما نے کہا ''اے لالہ' ہوش میں آؤ۔ ایسے گھر کے بھولے۔ میری ایسی کیا حیثیت تم نے دیکھ لی؟ میرے پاس نہ جائیداد نہ دولت اور تم نے سینکڑوں روپے آنکھ بند کر کے مجھ کو دے دیئے۔ اگر مجھ کو دیا ہے تو تم کو بھی قسم ہے' جاؤ مجھی سے لے لینا۔ میرے محل جو کھڑے ہوں گے' سرکار میں عرضی لگا کر نیلام کرا لینا۔''

ماما کی ایسی اکھڑی اکھڑی باتیں سن کر ہزاری مل بہت سٹ پٹایا اور لگا ماما سے لگاوٹ کی باتیں کرنے ''آج تو تم کسی سے لڑ کر آئی معلوم ہوتی ہو۔ بتاؤ تو کیا بات ہے؟ بیوی صاحب نے کچھ کہا یا صاحب زادے کچھ خفا ہوئے؟ یہاں تو آؤ' بات سنو۔''

ادھر تو ماما سے یہ کہا اور ادھر دکان پر جو لڑکا بیٹھتا تھا ایک پیسہ اس کے ہاتھ میں دیا کہ دوڑ کر دو گلوریاں تو بنوا کر لاؤ' اور دیکھ ذرا سا زردہ بھی الگ ہتھیلی میں لیتے آئیو۔ جب ماما بیٹھ گئی تو پھر ہزاری مل نے ہنس کر پوچھا ''معلوم ہوتا ہے کہ آج ضرور کسی سے لڑی ہو۔''

ماما نے کہا ''خدا نہ کرے۔ کیوں لڑنے لگی۔ بات پر بات میں نے بھی کہہ دی۔ رتی برابر جھوٹ کہا ہو تو لو میرا کان پکڑ لو۔''

ہزاری مل: یہ تو ٹھیک ہے۔ بیوہار تو مالک کے ہاتھ ہے۔ پر تمہارے ہاتھوں سے ہوتا ہے یا نہیں؟ نہ تو ہمارے نام رقعہ نہ چھٹی۔ تم نے مالک کے نام جو مانگا سو دیا۔

ماما: ہاں، یوں کہو۔ اس سے میں کب مکرتی ہوں؟ جو لے گئی ہوں، ہزاروں میں کہہ دوں، لاکھوں میں کہہ دوں۔ اور ہماری بیوی بھی (روئیں روئیں سے دعا نکلتی ہے) بے چاری کبھی تکرار نہیں کرتیں۔

ہزاری مل: ماما بیگم صاحب تو حقیقت میں بڑی امیر ہیں۔ واہ! کیا بات ہے۔ پھر ہزاری مل نے آہستہ سے پوچھا ''چھوٹی بہو صاحب کا کیا حال ہے؟ کیسی ہیں؟ اپنی بڑی بہن کے ڈھنگوں پر ہیں یا اور طرح کا مزاج ہے؟''

ماما: لالہ، کچھ نہ پوچھو۔ بیٹی تو امیر گھر کی ہیں پر دل کی بڑی تنگ ہیں۔ دمڑی کا سودا بھی جب تک چار مرتبہ پھیر نہ لیں پسند نہیں آتا۔ ہاں خدا رکھے ہنر سلیقہ تو دنیا کی بہو بیٹیوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ کھانا عمدہ سے عمدہ، سینے میں درزیوں اور مغلانیوں کو مات کیا ہے۔ لیکن لالہ امیری کی بات نہیں۔ اول اول تو مجھ پر بھی روک ٹوک شروع کی تھی۔ سو لالہ تم جانتے ہو میرا کام کیسا بے لاگ ہوتا ہے۔ آخر کو تھک کر بیٹھ رہیں۔ بیگم صاحب تو اولیاء آدمی ہیں۔ ان ہی کے دم قدم برکت سے گھر چلتا ہے۔ ہم غریب بھی ان ہی کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ بہتیرا لوگوں نے بیگم صاحب کو بھڑکایا، لیکن خدا سلامت رکھے، ان کے دل پر میل نہ آیا اور کسی طرح کا کلام انہوں نے منہ پر نہ رکھا۔

ہزاری مل: سنا ہے چھوٹی بہو صاحب کو بڑا بھاری جہیز ملا۔

ماما نے چھوٹتے ہی کہا ''خاک! بڑی سے بھی اترتا ہوا۔''

ہزاری مل: بڑا تعجب ہے! ان کے بیاہ کے وقت تو خان صاحب تحصیل دار تھے۔ بڑی بیٹی سے زیادہ دینا لازم تھا۔

ماما: اے ہے! تحصیل دار کا کچھ دوش نہیں۔ اس بے چارے نے تو بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں۔ یہی چھوٹی کھوٹی منہ بولی تھیں۔ اماں باوا کی خیر خواہی کے مارے کہہ کہہ کے سب چیزیں کم کرائیں۔

ہزاری مل: اگر یہی حال ہے تو بڑی بہت کی طرح یہ بھی الگ گھر کریں گی۔

ماما: الگ کرنا کیسا، یہ تو بڑے گل کھلائیں گی۔ بڑی بہو بد مزاج تھیں لیکن دل کی صاف اور یہ زبان کی میٹھی اور دل کی کھوٹی۔ کوئی ایسا ہی جان مار کر کام کرے، ان کی خاطر تلے نہیں آتا۔ بات بھی کہیں گی تو تہہ کی۔ منہ پر کچھ، دل میں کچھ۔ نہ بابا یہ عورت ایک دن نباہ کرنے والی نہیں۔ اب تو پہاڑ پر باپ کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔

ہزاری مل: لاہور سے ان دنوں کوئی خط آیا؟

ماما: ہر روز انتظار رہتا ہے۔ نہیں معلوم کیا سبب ہے۔ کوئی خط نہیں آیا۔ بیوی خرچ کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ رمضان سر پر آ رہا ہے۔ بلکہ پرسوں، اترسوں مجھ سے کہتی تھی، ہزاری مل سے پچاس روپے اور قرض لانا۔

ہزاری مل قرض کا نام سن کر چونک پڑا اور کہا ''پچھلا حساب چکا دیں تو آگے کو کیا انکار ہے۔ بڑی بی، دیکھنا بیگم صاحب کو

اچھی طرح سمجھا کر کہہ دینا کہ جہاں سے بن پڑے، روپے کا فکر کریں۔ اب میرے ساجھی میرے روکے نہیں رکتے۔ ایسا نہ ہو کل کلاں کو مجھے بات دینی آ جائے۔"

ماما: تمہارا روپیہ خدا ہی نکلوائے گا۔ بیگم صاحب کہاں سے دیں گی۔ بال بال تو قرض دار ہو رہی ہیں۔ مودی الگ جان کھاتا ہے، بزاز جدا شور مچاتا ہے۔

ہزاری مل: مجھ کو دوسرے لین داروں سے کیا واسطہ؟ ہماری دکان کا حساب تو بیگم صاحب کو بے باق کرنا ہی پڑے گا۔ میں تو بیگم صاحب کی سرکار کا بڑا الحاظ کرتا ہوں۔ لیکن میرا ساتھی چھدامی لال اب کسی طرف نہیں مانتا۔ اگر وہ یہ حال سن پائے تو آج نالش کر دے۔

ماما: یہ سب حال بیگم صاحب سے کہہ تو میں دوں گی، لیکن کا ذرا ذرا حال مجھ کو معلوم ہے۔ نالش کرو، فریاد کرو، نہ روپیہ ہے نہ دینے کی گنجائش۔ روپیہ ہوتا تو قرض کیوں لیا جاتا۔

اتنی باتوں کے بعد ماما عظمت ہزاری مل سے رخصت ہو کر، سودا سلف لے کر، گھر میں آئی تو محمد کامل کی ماں نے پوچھا "ماما تو بازار جاتی ہے تو ایسی بے فکر ہو جاتی ہے کہ کھانا پکانے کا کچھ خیال تجھ کو نہیں رہتا۔ دیکھ تو، کتنا دن چڑھا ہے۔ اب کس وقت گوشت چڑھے گا، کب پکے گا، کب کھانا ملے گا؟"

ماما: بیوی، موئے ہزاری مل کے جھگڑے میں اتنی دیر ہو گی، وہ جانہار ہر روز مجھ کو آتے جاتے ٹوکا کرتا ہے۔ آج میری جان جل گئی اور میں نے کہا کہ کیا تو نے مجھ سے روز کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے۔ کیوں مرا جاتا ہے۔ ذرا صبر کر۔ لاہور سے خرچ آنے دے تو تیرا اگلا پچھلا سب حساب کتاب بے باق ہو جائے گا۔ وہ موا تو میرے سر ہو گیا اور بھرے بازار میں لگا مجھ کو فضیحت کرنے۔

محمد کامل کی ماں: ہزاری مل کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ تو ایسا نہ تھا۔ آخر برسوں سے ہمارا اس کا لین دین ہے۔ سویرے بھی دیا ہے، دیر کر کے بھی دیا ہے۔ کبھی اس نے تکرار نہیں کی۔

ماما: بیوی کوئی اور مہاجن دکان میں ساجھی ہوا ہے۔ اس موئے نے جلدی مچا رکھی ہے۔ جس جس پر لینا تھا، سب سے کھڑے کھڑے وصول کر لیا۔ جس نے نہیں دیا، نالش کر دی۔ ہزاری مل نے کہا کہ بیگم صاحب سے بہت بہت ہاتھ جوڑ کر میری طرف سے کہہ دینا کہ میرے بس کی بات نہیں۔ جس طرح ہو سکے، دو چار دن میں روپے کی راہ نکال دیں۔ ورنہ چھدامی لال ضرور نالش کر دے گا۔

اس خبر کے سنتے ہی محمد کامل کی ماں کی سخت تردد پیدا ہوا۔ امیر بیگم، ان کی چھوٹی بہن، خانم کے بازار میں رہتی تھیں۔ وہ

ذرا خوش حال تھیں۔ محمد کامل کی ماں نے ماما عظمت سے کہا کہ لاہور سے تو خط کا جواب تک نہیں آتا۔ خرچ کی کیا امید ہے' اگر سچ مچ ہزاری مل نے نالش کر دی تو کیا ہو گا؟ میرے پاس تو اتنا اثاثہ بھی نہیں کہ بیچ کر ادا کر دوں گی اور نالش ہونے پر دنیا میں بھی بے عزتی ہے۔ نام تو سارے شہر میں بد ہو گا۔ ڈولی لے آؤ میں امیر بیگم کے پاس جاتی ہوں۔ دیکھوں' وہاں کوئی صورت اگر نکل آئے۔

ماما: بیوی' نالش تو ہوئی دھری ہے۔ جس نے منہ سے کہا اس کو کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ اور چھوٹی بیگم بے چاری کے پاس کہاں سے روپیہ آیا؟ وہ تو ان دنوں خود حیران ہیں۔

محمد کامل کی ماں: آخر پھر کچھ کرنا تو پڑے گا۔

ماما نے پاس جا کر چپکے سے کہا "مہینے بھر کے واسطے تمیز دار بہو اپنے کڑے دے دیتیں تو بات رہ جاتی۔ بالفعل ان کڑوں کو گروی رکھ کر آدھے تہائی ہزاری مل کے بھگت جاتے۔ مہینے بھر میں میاں یا تو خرچ بھیج دیتے یا میں کسی اور مہاجن سے لے آتی۔"

محمد کامل کی ماں: اری' تو کوئی دیوانی ہوئی ہے؟ خبردار! ایسی بات منہ سے بھی مت نکالنا۔ اگر رہنے کا مکان تک بھی بک جائے تو بلا سے۔ مجھ کو منظور ہے۔ لیکن بہو سے کہنے کا منہ نہیں۔

ماما: بیوی' میں نے تو اس خیال سے کہا کہ بہو ہوئی' بیٹی ہوئی' کچھ غیر نہیں ہوتیں۔ اور کیا خدا نہ کرے کچھ بیچ ڈالنے کی نیت ہے۔ مہینے بھر کا واسطہ ہے۔ چیز صندوقچے میں نہ پڑی رہی' مہاجن کے پاس رکھی رہی' جس میں اس کی خاطر جمع رہے۔

محمد کامل کی ماں: پھر بھی' بہو بیٹی میں بڑا فرق ہوتا ہے اور بہو بھی نئی بیاہی ہوئی کہ اگر سچ پوچھو تو ابھی اچھی طرح اس کی گھونگھٹ بھی نہیں کھلی۔ بھلا اس سے کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے؟ دیکھو' خبردار! پھر زبان سے ایسی بات مت نکالیو۔ ایسا نہ ہو محمودہ کے کان میں پڑ جائے اور بہو سے جا لگائے۔

ماما: صاحب زادی ابھی تو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں۔ مگر ابھی ان کو ان باتوں کی سمجھ نہیں۔

محمد کامل کی ماں: ڈولی لے آؤ۔ میں بہن تک جاؤں تو سہی۔ پھر جیسی صلاح ٹھہرے گی دیکھا جائے گا۔

محمد کامل کی ماں تو سوار ہو خانم کے بازار سدھاریں اور محمودہ نے سب حال تمیز دار بہو کو جا سنایا۔

باب سولھواں

خط اصغری کی طرف سے

ماما کی شرارتوں کے دفعیے کا آغاز

اصغری کو اور کچھ تو نہ سوجھی، فوراً اپنے بڑے بھائی خیر اندیش خاں کو یہ خط لکھا:

جناب برادر صاحب معظم مکرم سلامت

تسلیمات کے بعد مطلب ضروری عرض کرتی ہوں کہ مدت سے میں نے اپنا حال آپ کو نہیں لکھا۔ اس واسطے کہ جو عریضہ جناب والد صاحب کی خدمت میں بھیجتی ہوں، آپ کی نظر سے بھی گزرتا ہوگا۔ اب ایک خاص بات ایسی پیش آئی ہے کہ آپ ہی کی خدمت میں اس کا عرض کرنا مناسب سمجھتی ہوں۔ وہ یہ کہ جب سے میں سسرال آئی، کسی طرح کی تکلیف مجھ کو نہیں پہنچی اور بڑی آپا کو جن باتوں کی شکایت رہا کرتی تھی، آپ کی دعا سے وہ باتیں میرے ساتھ نہیں ہیں۔ سب لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں خوش رہتی ہوں۔ لیکن ایک ماما عظمت کے ہاتھوں سے وہ ایذا ہے جو کسی بدمزاج ساس اور بدزبان نند سے بھی نہ ہوتی۔ یہ عورت اس گھر کی پرانی ماما ہے اور اندر باہر کا سب کام اسی کے ہاتھوں میں ہے۔ اس عورت نے گھر کو لوٹ کر خاک سیاہ کر دیا۔ اب اتنا قرض ہو گیا ہے کہ اس کے ادا ہونے کا سامان نظر نہیں آتا۔ کسی طرح کا بندوبست گھر میں نہیں ہے۔ میں نے چند روز معمولی کاروبارِ خانہ داری میں دخل دیا تھا تو ہر چیز میں غبن، ہر بات میں فریب پایا گیا۔ میری روک ٹوک سے ماما میری دشمن ہو گئی اور اس دن سے ہر روز تازہ فساد کھڑا کیے رہتی ہے۔ اب تک ہرچند کوئی قباحت کی بات پیدا نہیں، لیکن ماما کا رہنا مجھ کو سخت ناگوار ہے۔ مگر اس کا نکلنا بھی بہت دشوار ہے۔ تمام بازار قرض کا اسی کی معرفت ہے۔ موقوفی کا نام بھی سن پائے تو قرض خواہوں کو جا بھڑکائے۔ پھر قرض کا نہ حساب ہے نہ کتاب۔ زبانی تکوں پر سب کا لینا دینا ہو رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ سب لوگوں کا حساب اور قرض لینے کا دستور آئندہ کے واسطے موقوف ہو۔ ماما نکال دی جائے۔ یقین ہے کہ جناب والد صاحب کے ساتھ آپ بھی رمضان میں تشریف لائیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ مہربانی فرما کر لاہور ہو کر آیئے اور ابا جان کو جس طرح بن پڑے کم سے کم دو ہفتے کے واسطے اپنے ساتھ لوا لایئے۔ آپ سب لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ بخوبی طے ہو جائے گا۔ میں اس خط کو سخت تشویش کی حالت میں لکھ رہی ہوں۔ مہاجن آمادۂ نالش ہے۔ ماما نے صلاح دی ہے کہ میرے کڑے گروی رکھے جائیں۔ اماں

جان روپے کے بندوبست کے واسطے سی وقت خالہ جان کے پاس گئی ہیں۔فقط۔

ادھر تو اصغری نے بھائی کو خط لکھا اور ادھر اپنی خالہ سے کہلا بھیجا کہ میں اکیلی ہوں۔بوا تماشا خانم کو دو دن کے واسطے بھیج دیجیے۔میں نے سنا ہے کہ وہ آپ کے یہاں مہمان آئی ہوئی ہیں۔غرض شاموں شام بی تماشا خانم آ پہنچیں۔ڈولی سے اترتے ہی پکاری ''اللہ بی اصغری! ایسا بھی بے مروت کوئی نہ ہو۔میں نے خالو ابا کا خط تم سے منگوا بھیجا تھا۔تم نے نہ دیا۔''

اصغری نے کہا ''اوئی! کون مانگنے آیا؟''

تماشا خانم بولی ''دیکھو' یہی ماما عظمت موجود ہیں۔کیوں بی' اس جمعے کو تم ہمارے گھر گئی تھیں۔میں نے تم سے کہہ دیا تھا یا نہیں؟''

عظمت بولی ''ہاں بی' انہوں نے تو کہا تھا' مجھ کم بخت ستری بہتری کو بات یاد نہیں رہتی۔یہاں آتے آتے گھر کے دھندے میں بھول گئی۔''

اصغری نے آہستہ سے کہا ''ہاں تم کو تو لوٹنا اور فساد ڈلوانا یاد رہتا ہے۔'' اور تماشا خانم سے کہا ''خط موجود ہے اور ایک نئی کتاب بھی آئی ہوئی ہے۔بڑے مزے کی باتیں اس میں ہیں۔وہ بھی تم لیتی جانا۔''

اصغری نے ماما کا سب حال ذرا ذرا تماشا خانم سے کہا۔تماشا خانم مزاج کی تھیں بڑی تیز۔اسی وقت جوتی لے کر اٹھیں اور ماما کو مارنے چلیں۔اصغری نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا ''خدا کے لیے آپا ایسا غضب مت کرنا۔ابھی جلدی کرو۔سب بات بگڑ جائے گی۔''

تماشا خانم نے کہا ''تم یوں ہی پس وپیش لگا کر اپنا وقر کھوتی ہو۔بوا' اگر میں تمہاری جگہ ہوتی' تو خدا کی قسم مردار کو مارے جوتیوں کے ایسا سیدھا بناتی کہ عمر بھر یاد رکھتی۔''

اصغری نے کہا ''دیکھو' انشاءاللہ اس نمک حرام پر مفت کی مار پڑے گی۔کوئی دن کی دیر ہے۔''

اس کے بعد تماشا خانم نے پوچھا ''تمہاری ساس اپنی بہن کے یہاں کس غرض سے گئی ہیں؟''

اصغری نے کہا ''وہ بے چاری بھی اسی نامراد ماما کے ہاتھوں دربدر ماری ماری پھرتی ہیں۔کوئی مہاجن ہے' اس کا کچھ دینا ہے۔ماما نے آج آ کر کہا تھا کہ وہ نالش کرنے والا ہے۔اسی کے روپے کی فکر میں گئی ہیں۔''

تماشا خانم پوچھا ''کون سا مہاجن نالش کرنے والا ہے؟''

اصغری نے کہا ''نام تو میں نہیں جانتی۔''

تماشا خانم نے ماما سے پوچھا ”عظمت کون سا مہاجن ہے؟“

عظمت: بیوی، ہزاری مل۔

تماشا خانم: وہی ہزاری مل نا جس کی دکان جوہری بازار میں ہے؟

عظمت: ہاں، بیوی، وہی۔

یہ سن کر تماشا خانم نے اصغری سے کہا ”اس سے تو ہماری سسرال میں بھی لین دین ہے۔ بھلا کیا موئے کی طاقت ہے جو نالش کرے۔ میں یہاں سے جا کر تمہارے بھائی جان سے کہوں گی۔ دیکھو تو کیسا ٹھیک بناتے ہیں۔“

دو دن تماشا خانم اصغری کے پاس رہیں، تیسرے دن رخصت ہوئیں اور چلتے چلتے کہہ گئیں کہ بوا اصغری، تم کو میرے سر کی قسم۔ جب تمہارے سسر آئیں اور یہ سب معاملہ مقدمہ پیش ہو، مجھ کو ضرور بلوانا اور عظمت کو تو بس میرے حوالے کر دینا۔“

وہاں محمد کامل کی ماں کو ان کی بہن نے ٹھہرا لیا کہ اے ہے آپا! کبھی کبھار تو تم آتی ہو۔ بھلا ایک ہفتہ تو رہو۔ لیکن آدمی ہر روز یہاں تمیز دار کی خیر خبر کو آتا تھا۔

باب سترھواں

ماما کی چوتھی شرارت

ماما عظمت نے بیٹھے بٹھائے ایک بدذاتی اور کی۔ ان دنوں لاٹ صاحب کی آمد آمد تھی' شہر کی صفائی کے واسطے حاکم کی طرف سے بہت تاکید ہوئی۔ ہر محلے اور ہر کوچے میں اشتہار لگائے گئے کہ سب لوگ اپنے اپنے کوچے اور گلیاں صاف کریں۔ دروازوں پر سفیدی کرالیں۔ بدرو ئیں صاف رکھیں۔ اگر کسی جگہ کوڑا پڑا ملے گا تو جرمانہ کیا جائے گا۔ اسی مضمون کا ایک اشتہار اس محلے کے پھاٹک پر بھی لگایا گیا۔ ماما عظمت جا کر محلے کے پھاٹک سے وہ اشتہار اکھاڑ لائی اور چپکے سے اپنے دروازے پر لگا دیا۔ پھر اندھیرے منہ خانم کے بازار میں محمد کامل کی ماں کو خبر کرنے دوڑی گئی۔ ابھی مکان کے کواڑ بھی نہیں کھلے تھے کہ اس نے جا آواز دی۔ محمد کامل نے آواز پہچانی اور کہا "ارے دوڑو! کواڑ کھولو! عظمت ایسے ناوقت کیوں بھاگی آئی ہے۔"

عظمت سامنے آئی تو پوچھا "ماما خیریت ہے؟"

عظمت بولی "بیوی' مکان پر وہ اشتہار روشتار کیا ہوتا ہے (اے ہے مجھ رنڈیا کو تو سیدھا نام بھی نیں آتا) لگا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہزاری مل نے نالش کر دی۔"

محمد کامل کی ماں نے اپنی بہن سے کہا "لو بوا' میں تو جاتی ہوں۔ ہزاری مل کو بلوا کر سمجھاؤں گی۔ خدا اس کے دل میں رحم ڈالے۔"

بہن بولی "آپا' میں شرمندہ ہوں کہ مجھ سے روپے کا بندوبست نہ ہو سکا۔ لیکن میرے گلے کا توڑا موجود ہے۔ اس کو لیتی جاؤ۔ گروی رکھنے سے کام نکلے تو خیر' ورنہ بیچ ڈالنا۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا "خیر' میں توڑا لیے جاتی ہیں۔ مگر اس کا روپیہ بہت بڑھ گیا ہے۔ ایک توڑے سے کیا ہوگا؟"

بہن بولی "آخر انہوں نے بھی تو کہا ہے کہ میں کسی دوسرے مہاجن سے قرض لا دوں گا۔ تم بسم اللہ کر کے سوار ہو۔ وہ آتے ہیں تو میں ان کو بھی پیچھے سے بھیجتی ہوں۔"

غرض محمد کامل کی ماں مکان پر پہنچی۔ دروازے پر اتری۔ اشتہار لگا دیکھا۔ افسوس کی حالت میں چاپ آ کر بیٹھ گئیں۔ ساس کی آمد کا سن کر اصغری کوٹھے پر سے اتری۔ سلام کیا۔ ساس کو مغموم دیکھ کر پوچھا "آج اماں جان آپ کا چہرہ بہت اداس ہے۔"

ساس: مہاجن نے نالش کر دی ہے۔ روپے کی صورت کہیں سے بن نہیں پڑتی۔ امیر بیگم نے جواب دے دیا اور

مکان پر اشتہار لگ چکا۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

اصغری: آپ ہرگز اس کا فکر نہ کیجیے۔ اگر ہزاری مل نے نالش کر دی ہے تو کچھ حرج نہیں۔ تماشا خانم کی سسرال میں اس کا لین دین ہے۔ تماشا خانم نے مجھ سے پکا وعدہ کیا ہے کہ ہزاری مل کو سمجھا دوں گی اور اگر نہیں مانے گا تو اس کے روپے کی کچھ سبیل ہو جائے گی۔ آپ اتنا فکر کیوں کرتی ہیں؟ ہزاری مل کو جو اپنی طرف سے کرنا تھا کر چکا۔

ساس: کامل ہوتا تو اس کو ہزاری مل کے پس بھیجتی۔

اصغری: یوں آپ کو اختیار ہے لیکن میرے نزدیک مہاجن سے ڈرنا کسی طرح مناسب نہیں' ورنہ اس کو آئندہ کے واسطے دلیری ہو جائے گی اور آئے دن نالش کا ڈراوا دکھایا کرے گا۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ ادھر کا اشارہ نہ ہو اور باہر سے کوئی دباؤ اس پر نہ پڑ جائے کہ نالش کی پیروی سے باز رہے۔

محمد کامل کی ماں: تماشا خانم ابھی لڑکی ہیں۔ کچہری دربار کی باتیں کیا جانیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے بھروسے کام بگڑ جائے اور موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔

اصغری: تماشا خانم بے شک لڑکی ہیں مگر میں نے بات خوب پکی کر لی ہے اور مجھ کو اطمینان ہے۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ میاں مسلم نے دروازے پر آواز دی۔ اصغری نے کہا ''دیکھئے' مسلم آیا ہے۔ ضرور اس معاملے کی کچھ خبر لایا ہو گا۔'' اصغری نے محمودہ کو اشارہ کیا۔ محمودہ کوٹھڑی میں چلی گئی۔ مسلم کو اندر بلایا اور پوچھا ''مسلم' کیا خبر لائے؟''

مسلم نے کہا ''آپا نے سلام کیا ہے اور مزاج کا حال پوچھا ہے اور کہا ہے کہ ہزاری مل کو بلوایا تھا۔ بہت کچھ ڈرایا دھمکایا ہے۔ اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ نالش نہ ہو گی۔''

یہ بات سن کر محمد کامل کی ماں کی کسی قدر تسلی ہوئی۔ لیکن اصغری حیرت میں تھی کہ تماشا خانم نے تو یہ کہلا بھیجا ہے کہ ہزاری مل نالش کر بیٹھا۔ یہ کیا بات ہے؟ اور اشتہار کا معاملہ بھی عجب ہے! میں گھر میں بیٹھی رہی۔ مجھ کو خبر نہیں۔ حاکم کا اشتہار ہوتا تو کوئی چپڑاسی پیادہ پکارتا' آواز دیتا۔ مسلم رخصت ہوا تو محمودہ سے اصغری نے کہا ''جاؤ' دروازے پر جو کاغذ لگا ہوا ہے' اس کو چپکے سے اکھاڑ لاؤ۔'' محمودہ کاغذ اکھاڑ لائی۔ اصغری نے پڑھا تو صفائی کا حکم تھا۔ نالش کا کچھ مذکور نہ تھا۔ سمجھ گئی کہ یہ بھی اس عظمت کی چالاکی ہے۔ ساس پر تو حال ظاہر نہیں کیا لیکن ان کا اچھی طرح اطمینان کر دیا کہ آپ دل جمعی سے بیٹھی رہیے۔ نالش کا ہرگز کھٹکا نہیں۔

باب اٹھارھواں

اصغری نے کس حکمت سے اپنے میاں کو
شب برات میں انار' پٹاخے چھوڑنے سے باز رکھا

ساس نے کہا "تمہارے کہنے سے نالش کی طرف سے تو دل جمعی ہوئی۔ لیکن شب برات اور رمضان سر پر چلا آ تا ہے۔ دونوں تہواروں میں خرچ ہی خرچ ہے۔ لاہور سے خط آ نا موقوف ہے۔ خرچ کا فکر تو میرا لہو خشک کیے ڈالتا ہے۔"

اصغری نے کہا "رمضان کے تو ابھی بہت دن پڑے ہیں۔ خدا مسبوب الاسباب ہے۔ اس وقت تک غیب سے کوئی سامان پیدا ہو جائے گا۔ ہاں شب برات کے تو چار ہی دن رہ گئے ہیں۔ سو شب برات کوئی ایسا تہوار نہیں جس میں بہت خرچ درکار ہو۔"

ساس نے کہا "میرے گھر تو سال در سال شب برات میں بیس روپے اٹھتے ہیں۔ پوچھو' یہی عظمت خرچ کرنے والی موجود ہے۔"

اصغری نے کہا "خرچ کرنے کا عجب ہے' لیکن ایک ضرورت کے واسطے اور ایک بے ضرورت۔ سو شب برات میں کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کے واسطے اتنا روپیہ درکار ہو۔"

ساس نے کہا "بوا' پیر' پیغمبر' بڑے بزرگوں کی فاتحہ مقدم ہے۔ پھر لوگوں کے گھر بھیجنا بھجوانا ضرور ہے۔ لو' کہنے کو ذرا سی بات ہے۔ پانچ روپے کی ایک رقم تو اصل خیر سے تمہارے میاں اور بی محمودہ کے انار پٹاخوں کی ہے۔ محمد کامل کا بیاہ ہو گیا ہے تو کیا ہے' خدا رکھے اس کے مزاج میں تو ابھی تک بچپن کی باتیں چلی آتی ہیں۔ جب تک سو انار' بیس گڈی پٹاخے نہ لے چکے گا' میری جان کھا جائے گا اور محمودہ بھی رو رو کے برا حال کر لے گی۔"

اصغری: اماں جان مسلمانوں میں شب برات کی کچھ رسم سی پڑ گئی ہے ورنہ دین میں تو اس کی کچھ اصل وصل ہی نہیں ہے۔ ہمارے ابا کو شب برات کی ایسی چڑ ہے کہ دوسروں کے یہاں کا آیا ہوا میٹھا نہ آپ کھائیں اور نہ ہم لوگوں کو کھانے دیں۔ اول تو ابا شہر میں جم ہی جم ہوتے ہیں' لیکن جس برس آپا کا بیاہ ہوا' ان کو شب برات یہیں ہوئی تھی۔ اماں بہتیرا لڑیں' جھگڑیں مگر ابا نے کہا' میں تو یہ بدعت اپنے گھر میں ہونے دینے کا نہیں۔ اور یوں خرچ کو کہو تو مجھ سے دس کی جگہ بیس اور غریبوں کو دو' پر شب برات کے نام سے تو میں ایک پھوٹی کوڑی دینے والا نہیں۔

اصغری کی ساس: تمہارے سسر کا بھی یہی کہنا ہے۔ شب برات کا حلوا' عید کی سویاں' بیوی کا کونڈا' صحنک' منت' عرش' قبروں کی چادر' پنکھا' بسنت' پھول والوں کی سیر' سلطان جی کی سترھویں' سہرا' گنگنا' منڈھا' نوبت نقارہ' ڈھولک سا چق' آرائش' مولوی تو سب ہی چیزوں کو منع کرتے ہیں۔ پر کم بخت دنیا بھی تو نہیں چھوڑی جاتی۔ اب کسی کے یہاں سے حصہ بخرہ آئے تو خواہی نہ خواہی لینا ہی پڑتا ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جیسے ہمسائی کہا کرتی ہیں کہ لینا روا' دینے کے نام کو الٹا توا۔ پھر گھر کے مردوں کے نام سے یوں تو کون دیتا ہے۔ برسوں دن تیوہار کے بہانے ان کی ارواح کو دو چپاتی اور کوڑی بھر میٹھے کا ثواب پہنچ جاتا ہے تو اس سے کیا گئے گزرے ہوئے؟

اصغری: ایسا ہی شب برات کا کرنا ضرور ہے تو فاتحہ کے واسطے پانچ چھ سیر کا میٹھا بہت ہوگا۔ رہا بھیجنا بھجوانا تو ادھر سے آیا' ادھر گیا۔ اور محمودہ اب پٹاخوں کے واسطے ضد نہیں کریں گے۔ میں ان کو سمجھا لوں گی۔ غرض شب برات تو میری طرف سے آئی گئی ہوئی۔ اس کے واسطے آپ قرض کا فکر نہ کیجیے۔ کسی معمول میں بھی کمی ہو تو مجھ کو الاہنا دیجیے۔

ساس سے تو یہ باتیں ہوئیں لیکن اصغری سوچ میں تھی کہ میاں کو انار پٹاخوں سے کس طرح باز رکھوں گی۔ آخر کار اس حکمت سے اصغری نے میاں کو سمجھایا کہ بات بھی کہہ گزری اور میاں کو ناگوار بھی نہ ہوا۔ محمد کامل کے سامنے چھیڑ کر محمودہ سے پوچھا ''کیوں بوا' تم نے شب برات کے واسطے کیا تیاری کی؟''

محمودہ بولی ''بھائی انار پٹاخے لائیں گے تو ہم کو بھی دیں گے۔''

ابھی محمد کامل کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اصغری نے کہا ''بھائی ایسی واہیات چیز تمہارے لیے کیوں لانے لگے؟ انار پٹاخوں میں کیا مزا ہوتا ہے؟''

محمودہ: بھائی جان' جب انار پٹاخے چھوٹتے ہیں تو کیسی بہار ہوتی ہے۔

اصغری: محلے میں سینکڑوں انار چھوٹیں گے۔ کوٹھے پر سے تم بھی دیکھ لینا۔

محمودہ: واہ! اور ہم نہ چھوڑیں؟

اصغری: تم کو ڈر نہیں لگتا؟

محمودہ: میں اپنے ہاتھوں سے تھوڑے ہی چھوڑتی ہوں۔

اصغری: پھر جس طرح تم نے اپنے انار چھوٹتے دیکھے' ویسے ہی محلے کے۔ اور محمودہ سنو' یہ بہت برا کھیل ہے۔ ایک مرتبہ ہمارے محلے میں ایک لڑکے کے ہاتھ میں انار پھٹ گیا۔ دو آنکھیں پھٹ کر چوپٹ ہو گئیں اس کو دیکھنا بھی ہو تو دور سے۔ اور محمودہ تم اماں جان کا حال دیکھتی ہو؟ اداس ہیں یا نہیں؟

محمودہ: اداس تو ہیں۔

اصغری: کبھی تم نے یہ بھی غور کیا کہ کیوں اداس ہیں؟

محمودہ: یہ تو معلوم نہیں۔

اصغری: واہ! اسی پر تم کہتی ہو کہ میں اماں کو بہت چاہتی ہوں۔

محمودہ: اچھی بھابھی جان' اماں کیوں اداس ہیں؟

اصغری: خرچ کی تنگی ہے۔ مہاجن قرض نہیں دیتا۔ اس سوچ میں ہیں کہ محمودہ اناروں کے واسطے ضد کرے گی تو کہاں سے دوں گی۔

محمودہ: تو ہم انار نہیں منگائیں گے۔

اصغری: شاباش! شاباش! تم بہت ہی اچھی بیٹی ہو (اور محمودہ کو گلے لگا کر پیار کیا۔)

محمودہ: اگلے برس جب خدا کرے گا' اماں کا ہاتھ بافراغت ہو گا' ابا خرچ بھیجیں گے تو اب کے بدلے کے انار پٹاخے بھی ہم سب ہی چھوڑیں گے۔ کیوں نہ بھابھی جان؟

اصغری: چھوڑ تو لو گی مگر محمودہ انار پٹاخوں کا چھوڑنا گناہ کی بات ہے۔ اللہ میاں بڑے ناراض ہوتے ہیں۔

محمودہ: اے ہے! پھر یہ سب لوگ جو آتش بازی چھوڑتے ہیں؟

اصغری: لوگوں کی بھلی چلائی۔ لوگ جھوٹ نہیں بولتے؟ چوری نہیں کرتے؟ پرایا حق نہیں مارتے؟

محمودہ: پھر ہم کو اماں جان نے تو کبھی منع نہیں کیا۔

اصغری: اس خیال سے کہ تمہارا جی کڑھے گا۔

محمودہ: بھلا اس میں گناہ کی کیا بات ہے؟ کسی کے لگ نہ جائے؟

اصغری: محمودہ' اللہ تعالیٰ کے یہاں چل کر رتی رتی کا حساب دینا ہو گا۔ انار پٹاخے تو بڑے داموں کی چیز ہے' اگر کوئی آدمی پانی بھی بے سبب لنڈھاتا ہے اس سے بھی اللہ میاں پوچھیں گے کہ تو نے ہمارا پانی بے وجہ لنڈھایا کیوں؟ اسی طرح پر وقت کا' روپے پیسے کا' کھانے کا' کپڑے کا' تن درستی کا' غرض خدا نے جتنی نعمتیں اپنی مہربانی سے دی ہیں' سب کا حساب کتاب دینا پڑے گا۔ اور جب تم بتاؤ گے کہ ہم نے اتنے پیسوں کے انار پٹاخے لیے' اللہ میاں کہیں گے کہ تم نے یہی پیسے کسی غریب محتاج کو کیوں نہ دیئے؟ لوگ بھوکے مریں اور کوڑی کوڑی کو ترسیں اور تم میری دی ہوئی دولت کو یوں آگ لگاؤ۔ اس وقت محمودہ تم کیا جواب دو گی؟ تم اللہ میاں سے ڈرتی نہیں؟

محمودہ: اے ہے! بھابھی جان' اب کیا کروں؟

اصغری: آگے کو توبہ کرو۔

محمودہ: تو اللہ میاں میری خطا معاف کر دیں گے؟

اصغری: بے شک معاف کر دیں گے۔ وہ تم کو اماں جان سے بہت زیادہ چاہتے ہیں۔

محمودہ: اللہ میاں مجھے اتنا کیوں چاہتے ہیں؟

اصغری: اس واسطے چاہتے ہیں کہ انہوں نے تم کو بنایا ہے' پیدا کیا ہے۔ تم اپنے پالے ہوئے بلی کے بچے کو کیسا چاہتی ہو۔

محمودہ: تو کیسے توبہ کروں؟

اصغری: دل سے پکا ارادہ کر لو کہ پھر ایسا نہیں کرو گی۔

محمودہ: میں انار پٹاخے منگوانے کی بھی نہیں' اور کوئی مفت بھی دے گا تو نہیں لوں گی۔

اصغری نے پھر محمودہ کو پیار کیا۔ محمد کامل چپ بیٹھا ہوا یہ سب باتیں سنتا رہا۔ چونکہ معقول بات تھی' اس کے دل نے قبول کر لی۔ اسی وقت نیچے اتر کر ماں کے پاس گیا اور کہا ''اماں' میں نے سنا ہے تم شب برات کی سوچ میں بیٹھی ہو۔ تم میرا فکر مت کرو۔ مجھ کو انار پٹاخے درکار نہیں اور محمودہ کہتی ہے کہ میں نہیں منگاؤں گی۔ اور ہم دونوں نے توبہ بھی کر لی ہے۔''

غرض خرچ کی ایک رقم تو یوں کم ہوئی۔ فاتحہ کے واسطے دو روپے میں خاصا میٹھا بن گیا۔ بھیجنے کے واسطے اصغری نے خود اہتمام کیا۔ جب باہر سے حصہ آیا' گھر میں نہ ٹھہرنے دیا۔ دے کر آدمی باہر نکلا اور اس نے کہا فلانی جگہ پہنچا دو۔ جس جس کو دینا تھا سب کو نام بنام پہنچ گیا اور دو روپے میں اچھی خاصی شب برات ہو گئی۔ عظمت یہ بندوبست دیکھ کر جل ہی تو گئی۔ اس واسطے کہ اس کی بڑی رقم ماری گئی۔ جتنا باہر سے آتا وہ سب لیتی' اور جو گھر سے جاتا آدھا اس میں سے نکالتی۔ اور شب برات کا حلوا جو خشک کر رکھتی تھی' مہینوں پنجیری کی طرح پھانکتی۔

باب انیسواں

اصغری کے باپ اور سسرے کا آنا، لوگوں کا حساب کتاب ہونا اور آخر کار ماما عظمت کا رُسوا ہو کر نکالا جانا

شب برات کے بعد اصغری کے باپ کی آمد شروع ہوئی اور نو دس دن بات کی بات میں گزر گئے۔ رمضان سے چار دن پہلے دور اندیش خاں صاحب دہلی میں داخل ہوئے۔ اصغری نے پہلے سے اپنے باپ کی سن رکھی تھی اور ساس اور میاں سے ٹھہر گیا تھا کہ جس دن تحصیل دار صاحب آئیں گے، اسی دن میں ان سے ملنے جاؤں گی۔ جب اصغری کو باپ کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو فوراً ڈولی منگا جا پہنچیں۔ باپ نے گلے سے لگالیا اور آبدیدہ ہوئے۔ دیر تک حال پوچھتے بتاتے رہے اور اصغری سے کہا، آپ کے حکم کے مطابق خیر اندیش خاں لاہور گئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ کل یا پرسوں سمدھی صاحب کو لے کر داخل ہوں گے۔ ان کا ایک خط بھی مجھ کو راہ میں ملا تھا سمدھی صاحب کو رخصت مل گئی ہے۔ غرض اس رات بھر اور اگلے دن بھر اصغری ماں کے یہاں رہی اور شام کے قریب باپ کو کہا کہ اگر اجازت دیجئے تو آج میں چلی جاؤں۔

باپ نے کہا ''ابھی ایک ہفتہ تو رہو۔ ہم سمدھن کو کہلا بھیجیں گے۔''

اصغری نے کہا ''جیسا آپ ارشاد فرمائیں، تعمیل کروں۔ لیکن ابا جان کے آنے سے پہلے گھر میں میرا موجود رہنا مصلحت معلوم ہوتا ہے۔''

باپ نے سوچ کر کہا ''ہاں، بات تو ٹھیک ہے۔''

غرض اصغری باپ سے رخصت ہو، مغرب سے پہلے گھر آموجود ہوئی۔ اگلے دن کھانے کے وقت مولوی محمد فاضل صاحب (محمد کامل کے باپ) بھی آپہنچے۔ یہ مولوی صاحب لاہور کے ایک رئیس کی سرکار میں مختار تھے۔ پچاس روپے مہینا تنخواہ مقرر تھی اور مکان اور سواری رئیس کے ذمے۔ خیر اندیش خان اصغری کی تحریر کے موافق لاہور گیا اور اصغری کا خط مولوی محمد فاضل صاحب کو دکھایا۔ مولوی صاحب بہو کا خط دیکھ کر باغ باغ ہو گئے اور یوں شاید رخصت نہ بھی لیتے، اب بہو کے دیکھنے کے اشتیاق میں رئیس سے بہت کہہ سن کر ایک مہینے کی رخصت لے کر خیر اندیش خاں کے ساتھ ہو لیے۔ چونکہ اصغری بیاہ کے بعد سسرے کے سامنے نہیں ہوئی تھی، سسرے کو آتا دیکھ کر کوٹھے پر جا بیٹھی۔ محمد کامل کی ماں حیرت

میں تھی کہ یہ کیوں کر آ گئے! غرض کھانے کے بعد باتیں شروع ہوئیں۔ مولوی صاحب نے بیوی سے کہا ''سنو صاحب' مجھ کو تمہاری چھوٹی بہو نے کھینچ بلایا ہے۔'' پھر سب حال خط کا اور خیر اندیش خاں کے جانے کا بی بی سے بیان کیا اور کہا کہ بہو کو بلاؤ۔

ساس کوٹھے پر گئیں اور کہا ''بیٹی چلو۔ شرم کی کیا بات ہے۔ تم تو ان کی گودوں میں کھیلی ہو۔''

ساس کے کہنے سے اصغری اٹھ کر ساتھ ہو لی اور سسرے کو جھک کر سلام کیا اور ادب سے علیحدہ بیٹھ گئی۔ مولوی صاحب نے کہا ''سنو بھائی' ہم تو صرف تمہارے بلائے ہوئے آئے ہیں۔ تمہارا خط دیکھ کر ہمارا جی بہت خوش ہوا۔ خدا تمہاری عمر اور نیک بختی میں برکت دے۔ حقیقت میں ہمارے گھر کے اچھے نصیب ہیں جو تم ہمارے گھر میں آئیں اور مجھے یقین ہوا کہ اس گھر کے کچھ دن پھرے۔ انشاء اللہ تمہاری مرضی اور تمہاری رائے کے موافق سب انتظام کیا جائے گا۔''

غرض دو چار دن تو مولوی صاحب ملنے ملانے میں رہے' پھر اول کے دو چار روز روزے کے سبب گھر کے کام کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ایک دن بہو کو بلا کر پاس بٹھایا اور ماما عظمت سے کہا ''ماما ہمارے رہتے سب حساب کتاب کر لو۔ جس جس کو دینا ہے سب لکھا دو تا کہ جس کو جتنا منا سب ہو دیا جائے اور جو باقی رہ جائے' اس کی قسط بندی کر دی جائے۔''

ماما نے کہا ''ایک کا حساب ہو تو زبانی بھی یاد رکھا جائے۔ بنیا' بزاز' قصائی' کنجڑا' حلوائی' سب ہی کا دینا ہے۔ اور ہزاری مل کا بڑا بھاری حساب الگ ہے۔ جس کو جتنا دینا ہو' مجھ کو دیجئے' لے جا کر آپ کے نام جمع کرا دوں۔''

مولوی صاحب تو سیدھے سادھے آدمی تھے' دینے کو آمادہ ہو گئے۔ اصغری نے کہا ''یوں علی الحساب دینے سے کیا فائدہ؟ پہلے ہر ایک کا قرضہ معلوم ہو' تب اس کو سوچ سمجھ کر دینا چاہیے۔''

ماما نے کہا ''کھانے سے فراغت پاؤں تو جا کر ہر ایک سے پوچھ آؤں گی۔''

اصغری: پوچھ آنے سے کیا ہو گا؟ جس کو لینا ہو یہاں آ کر حساب کر جائے۔

ماما: بیوی آپ نے تو ایک بات کہہ دی۔ اب میں کہاں کہاں بلاتی پھروں' اور وہ لوگ اپنے دھندے سے کب چھٹی پاتے ہیں جو میرے ساتھ چلے آئیں گے؟

اصغری: کوئی روز روز کا بلانا نہیں ہے۔ ایک دن کی بات ہے۔ جا کر بلا لاؤ۔ شام کے کھانے کا کچھ بندوبست ہو جائے گا۔ تم آج کام کرو۔ اور لینے والے تو دینے کا نام سن کر دوڑیں گے۔ ہزاری مل نالش کرنے دو دو کوس کچہری پر تو گیا' یہاں آتے کیا اس کے پاؤں میں مہندی لگی ہے؟ اور دور کون ہے؟ کنجڑا' قصائی' بنیا' حلوائی سب اسی گلی میں ہیں۔ صرف بزاز اور ہزاری مل دور ہیں۔ ان کو کل پر رکھو۔ یہ چھٹکل حساب آج طے ہو جائے۔

ماماعظمت کی کسی طرح مرضی نہ تھی کہ حساب ہو' لیکن اصغری نے باتوں میں ایسا دبایا کہ کچھ جواب نہ بن پڑا۔ سب سے پہلے حلوائی آیا۔ پوچھا "لالہ' تمہارا کیا پانا ہے؟"

حلوائی: تیس روپے۔

پوچھا گیا "کیا کیا چیز تمہارے یہاں سے آئی؟ تیس روپے تو بہت زیادہ بتاتے ہو۔"

حلوائی: صاحب تیس روپے بھی کچھ بہت ہوتے ہیں۔ ایک رقم دس سیر شکر تو اسی شب برات کو آئی۔

محمد کامل کی ماں: ارے! کیسی شکر؟ اب کے مرتبہ ہمارے گھر میں جو کچھ پکا پکا بازار سے نقد آیا۔ یہ سن کر ماماعظمت کا رنگ فق ہو گیا اور حلوائی سے بولی "وہ دس سیر شکر تو نے ان کے حساب میں کیوں لکھ لی؟ وہ تو میں دوسرے کے واسطے لے گئی تھی اور تجھ کو جتا بھی دیا تھا۔"

حلوائی: مجھ سے تو تم نے کسی گھر کا نام نہیں لیا۔ اسی سرکار کے نام سے لائی ہو۔ ورنہ مجھے کیا فائدہ تھا کہ دوسرے کی چیز ان کے نام لکھ لیتا؟ اور مجھ سے تو اور کسی سرکار سے اچا پت بھی نہیں۔

غرض ماما کھسیانی باتیں کرنے لگی۔ مولوی صاحب نے کہا "بھلا شکر کی رقم تو رہنے دو۔ اور چیزیں بتاؤ۔"

غرض اسی طرح بہت سی چیزیں اس نے بتائیں جو عمر بھر گھر میں نہیں آئی تھیں۔ چار سیر بالوشاہی مولود شریف کے واسطے اور مزہ یہ کہ یہاں کبھی کسی نے مولود کی مجلس نہیں کی۔ صرف چھ سات روپے تو سچ نکلے' باقی سب جھوٹ۔ مولوی صاحب کا جی جل گیا اور بے طرح ان کو غصہ آیا۔ پوچھا "کیوں ری نمک حرام عظمت! ایسا ہی دنیا بھر کا قرض تو نے اس گھر پر کر رکھا ہے اور یوں تو نے اس گھر کو خاک میں ملایا ہے؟"

حلوائی ہو چکا تو کنجڑا آیا۔ اس نے کہا "میاں میرا حساب تو معمولی ہے' دو آنے روز کی ترکاری۔"

محمد کامل کی ماں: ارے! سیر بھر ترکاری میرے گھر میں آتی ہے۔ دو آنے روز کی کیسے ہوئی؟"

کنجڑا: حضرت میری دکان سے ماما تین سیر لاتی ہے۔

ماما: ہاں تین سیر لاتی ہوں۔ سیر بھر تمہارے نام سے' سیر بھر اپنی بیٹی کے واسطے' اور سیر بھر دوسرے گھر کے واسطے۔ میں کیا مکرتی ہوں؟ یہ موا سب تمہارے نام بتاتا ہے۔

کنجڑا: اری بڑھیا بے ایمان! ہمیشہ سے تو اسی گھر کے حساب میں تین سیر لاتی رہی اور جب روپیہ ملا اسی گھر سے ملا۔

قصائی اور بنئے کا حساب ہوا تو اس میں بھی ہزاروں فریب نکلے اور ثابت ہوا کہ ماما اسی گھر کے سودے میں اپنی بیٹی

خیراتن اور اپنی دو تین ہمسائیوں کے گھر پورے کرتی تھی۔ اسی گھر کے نام سے سودا لاتی اور دوسری جگہ بیچ ڈالتی۔ غرض شام تک پھٹکل حساب ہوا اور اب بزاز اور ہزاری مل باقی رہے۔ مولوی صاحب نے کہا ''اب ناوقت ہو گیا ہے۔ آج ملتوی کرو کل دیکھا جائے گا۔'' لیکن مولوی صاحب نے آہستہ سے یہ بھی کہا کہ ایسا نہ ہو' عظمت بھاگ جائے۔

اصغری: گھربار' لڑکے بچے' مکان چھوڑ کر کہاں بھاگ جائے گی؟ ہاں شاید غیرت مند ہو تو کچھ کھا پی لے۔ مگر ایسی غیرت مند ہوتی تو ایسا کام کیوں کرتی؟ تاہم حفاظت ضرور ہے' لیکن فقط اسی قدر کہ باہر آتی جاتی کو کوئی دیکھتا رہے۔

مولوی صاحب کے خدمت گار جو ساتھ آئے تھے' ایک کو چپکے سے کہہ دیا کہ ماما کو آتے جاتے دیکھتے رہو۔ جب کھانے سے فارغ ہوئی' ماما چپکے سے اٹھ باہر چلی۔ خدمت گار دبے پاؤں پیچھے پیچھے ساتھ ہوا۔ ماما پہلے تو اپنے گھر گئی اور وہاں سے کچھ بغل میں مار تیر کی طرح سیدھی بزاز کے مکان پر جا کر اس کو آواز دی۔ بزاز گھبرا کر باہر نکلا کہ بڑی بی' تم اس وقت کہاں؟

عظمت: مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں۔ جس جس کا دینا ہے سب کا حساب ہوتا ہے۔ کل تم بھی بلائے جاؤ گے تو ایسی بات مت کرنا جس میں میری فضیحت ہو۔

بزاز: حساب میں تمہاری فضیحت کی کیا بات ہے؟

ماما: لالہ تم تو جانتے ہو یہ کم بخت لالچ بہت برا ہوتا ہے۔ سرکار کے حساب میں اپنے واسطے بھی تمہاری دکان سے کبھی کبھی لٹھا نین سکھ اور دریس لے گئی ہوں۔

بزاز: کیا معلوم تم اپنے واسطے کیا لے گئی ہو؟

ماما: مجھ کو اس وقت حساب کرنے کا تو ہوش نہیں' لیکن دو چار تھان دریس اور لٹھے نین سکھ کے اور دس گز اودا قند میرے حساب نکلے گا تو میرے ہاتھ کی چار چوڑیاں سولہ روپے کی ہیں۔ گھس گھسا کر ایک روپیہ کم ہو گیا ہو گا پندرہ روپے میرے نام سے کم کر دینا اور دو چار روپے جو میرے نام نکلیں گے' میں دینے کو موجود ہوں۔

بزاز: چوڑیاں تم دیتی ہو۔ خیر' میں لیے تو لیتا ہوں لیکن رات کا وقت ہے۔

عظمت: اس وقت میری عزت تمہارے ہاتھ ہے۔ جس طرح ہو سکے بچاؤ۔

بزاز سے رخصت ہو سیدھی ہزاری مل کے گھر پہنچی۔ وہ بھی حیران ہوا اور بولا کہ تم اس وقت کہاں؟ اس کے پاؤں پر کر رو کر کہنے لگی کہ مجھ سے ایک خطا ہو گئی ہے۔

ہزاری مل: وہ کیا؟

عظمت: تم وعدہ کرو معاف کر دو گے تو میں کہوں۔

ہزاری مل: بات تو کہو۔

عظمت: چار مہینے ہوئے لاہور سے خرچ آیا تھا اور مولوی صاحب نے سو روپے تم کو بھیجے تھے وہ میرے پاس خرچ ہو گئے اور سرکار میں ڈر کے مارے میں نے ظاہر نہیں کیا۔ اب مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں۔ تم کو حساب کے واسطے طلب کریں گے۔ میں اس روپے کا ٹھکانہ لگا دوں گی۔ تم اس رقم کو ظاہر مت کرنا۔

ہزاری مل: دو چار روپے کی بات ہوتی تو میں چھپا بھی لیتا' اکٹھے سو روپے تو میرے کیے چھپ نہیں سکتے۔

ماما: کیا سو روپے کا بھی میرا اعتبار نہیں؟

ہزاری مل: صاف بات تو یہ ہے کہ تمہارا ایک کوڑی کا بھی اعتبار نہیں۔ جس گھر سے تم نے عمر بھر پرورش پائی' ان ہی کے ساتھ تم نے یہ سلوک کیا تو دوسرے کے ساتھ کب چوکنے والی ہو۔

عظمت: ہاں لالہ' جب برا وقت آتا ہے تو اپنے دشمن ہو جاتے ہیں۔ خیر' اگر تم کو اعتبار نہیں تو لو' یہ میری بیٹی کی پہنچیاں اور جوشن رکھ لو۔

ہزاری مل: یہ معاملے کی بات ہے۔ لیکن دن ہو تو مال پرکھا جائے۔ تب معلوم ہو کتنے کا ہے۔ لیکن اٹکل سے تو سب مال پچاس ساٹھ کا ہو گا۔

ماما: اے ہے ہے لالہ! ایسا غضب تو مت کرو۔ ابھی چار مہینے ہوئے نو عدد بنوائے تھے۔ سوا سو کی لاگت کے ہیں۔

ہزاری مل: اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ تمہاری چیز سو کی ہو یا دو سو کی۔ کوئی نکالے لیتا ہے؟ تلوانے سے جتنی ٹھہرے معلوم ہو جائے گا۔

یہ سب بندوبست کر کے ماما گھر واپس آئی۔ مولوی صاحب کے خدمت گار نے پاؤں دبانے میں یہ سب حال مولوی صاحب سے بیان کیا اور محمد کامل کی ماں کے ذریعے سے اصغری کو معلوم ہوا۔ صبح ہوئی تو بزاز اور ہزاری مل طلب ہوئے۔ حساب میں کچھ حجت ہونے لگی۔ ماما چڑھ چڑھ کر بولتی تھی۔ بزاز نے کہا "تو بڑھیا ٹر ٹر کیوں کرتی ہے؟ اٹھا اپنی چوڑیاں۔ تو پندرہ روپے کی بتاتی تھی' بازار میں نو روپے کی آ نکلتی ہیں۔" ہزاری مل نے پہنچیاں اور جوشن سامنے رکھ دیے اور عظمت سے کہا "نہیں صاحب' یہ مال ہمارے کام کا نہیں۔"

مولوی صاحب نے بزاز اور ہزاری مل دونوں سے پوچھا "کیوں بھائی' یہ چیزیں کیسی ہیں؟" تب دونوں نے رات کی حکایت بیان کی اور عظمت کے منہ پر گویا' لاکھوں جوتیاں پڑ رہی تھیں۔ جب حساب طے ہو گیا اور مولوی صاحب نے

دینے کو روپیہ نکالا تو جتنا واجبی تھا' آدھا آدھا سب کا دے دیا اور کہا کہ میں نے لاہور سے روپیہ منگایا ہے' دس پانچ دن میں آتا ہے تو باقی بھی دے دیا جائے گا۔ سب لوگوں نے پوچھا کہ ماما کی طرف جو ہمارا نکلا' وہ ہم کس سے لیں؟ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مسلم مکتب جاتے ہوئے ادھر آ نکلا اور یہ باتیں سنتا گیا۔ وہاں جا کر تماشا خانم سے کہا کہ آج تو آپا اصغری کے دروازے پر بڑی بھیڑ جمع ہے۔ ان کے سسرے حساب کر رہے ہیں۔ تماشا خانم سنتے کے ساتھ ڈولی میں چڑھ آ پہنچی۔ اتری تو اصغری سے گلہ کیا ''کیوں جی' تم نے مجھ کو خبر نہ کی تو کیا ہوا۔''

اصغری: ابھی تو حساب درپیش ہے۔ یہ بکھیڑ ہو چکتا تو میں تم کو خبر کرتی۔

غرض مولوی صاحب نے لوگوں سے کہا کہ جو ماما سے لینا ہے' وہ ماما سے لو اور عظمت کی طرف متوجہ ہو کر بولے ''حضرت' ان کا روپیہ ادا کرو۔''

عظمت نے نیچی آنکھیں کر کے کہا ''میرے پاس بیٹی کا زیور ہے۔ اس میں یہ لوگ اپنا اپنا سمجھ بوجھ لیں۔'' بیٹی کا تمام زیور کنجڑے' قصائی' بنئے' بزاز کے حساب میں آدھے داموں لگ گیا۔ ہزاری مل کے سو روپے کے واسطے رہنے کا ٹھیکرا گروی رکھنا پڑا۔ لکھا پڑی پکے کاغذ پر ہو کر چار بھلے مانسوں کی گواہی ہو گئی۔ مولوی صاحب نے عظمت سے کہا ''بس' اب آپ خیر سے سدھاریئے۔ تم جیسے نمک حرام' دغاباز' بے ایمان آدمی کا ہمارے گھر میں کچھ کام نہیں۔''

اصغری: ان میں نمک حرامی کے علاوہ ایک صفت اور بھی تھی۔ وہ کہ گھر میں فساد ڈلوانے کی فکر میں تھیں۔ کیوں عظمت' وہ کڑھائی کی بات یاد ہے جو محمودہ کے بھائی نے فرمائش کی تھی اور تو نے میری طرف سے جھوٹ جا کر کہہ دیا تھا کہ بہو کہتی ہیں میرے سر میں درد ہے؟ بول تو سہی' کب تو نے مجھ سے کہا تھا اور کب میں نے درد کا عذر کیا تھا؟

عظمت: بیوی' تم کوٹھے پر قرآن پڑھ رہی تھیں۔ میں کہنے کو اوپر گئی۔ تم کو پڑھتے دیکھ کر الٹی پھر آئی۔

اصغری: اور دردِ سر کی بات دل سے بتائی۔

عظمت: میں نے سوچا کہ صبح سے اب تک تو تم پڑھ رہی ہو' اب کہاں چولہے میں سر کھپاؤ گی۔

اصغری: بھلا پہاڑ پر جانے کی بات تو نے کس غرض سے کہی تھی؟ میں نے تجھ سے صلاح کی تھی یا تو نے مجھ کو کہتے سنا تھا؟ اس کا کچھ جواب عظمت کو نہ آیا۔ پھر اصغری نے اشتہار نکال کر مولوی صاحب کے سامنے ڈال دیا اور کہا ''دیکھیے' یہ بیوی عظمت ان گنوں کی ہیں۔ خود تو محلے کے پھاٹک سے اشتہار اکھاڑ لائی اور خود اماں جان سے کہنے کو دوڑی گئی۔''

اصغری یہ باتیں کہہ رہی تھی اور مولوی صاحب کا چہرہ سرخ ہوتا جاتا تھا۔ ادھر تماشا خانم دانت پیس رہی تھی۔ مولوی صاحب نے کہا ''تجھ کو نکالنا ہی کافی نہیں۔ تو بڑی بدذات عورت ہے۔'' یہ کہہ کر اپنے خدمت گار کو آواز دی اور کہا ''بہادر'

اس ناپاک کو کوتوالی لے جا۔ رقعے میں اس کا سب حال ہم لکھے دیتے ہیں۔''

اصغری نے مولوی صاحب سے کہا کہ بس' اب یہ اپنی سزا کو پہنچ گئی۔ کوتوالی سے اس کو معاف رکھیے اور ماما کو اشارہ کیا کہ ''چل دے۔'' بلکہ دروازے تک ماما کے ساتھ گئی۔

غرض ماما عظمت اپنے کوتکوں کے پیچھے یہاں سے نکالی گئی۔ گھر پہنچی تو بیٹی بلا کی طرح لپٹی ''میں نہ کہتی تھی اماں ایسی لوٹ تو نہ مچاؤ۔ سو دن چور کے تو ایک دن شاہ کا۔ ایسا نہ ہو کسی دن پکڑی جاؤ۔ تم کسی کی مانتی نہ تھیں۔ خوب ہوا۔ جیسا کیا ویسا پایا۔ اب سسرال میں میرا نام تو بدمت کرو۔ جہاں تمہارا خدا لے جائے چلی جاؤ۔ میرے گھر میں تمہارا کام نہیں۔ زیور کو میں نے صبر کیا۔ تقدیر میں ہو گا تو پھر مل رہے گا۔'' اس طور پر خدا خدا کر کے اصغری نے اپنے دشمن کو نکال پایا اور گھر کو عذاب سے نجات دی۔

باب بیسواں

گھر میں دوسری ماما رکھنے کی صلاح

جب عظمت کا فیصلہ ہو گیا تو اصغری نے باپ کے پاس جانے کی پھر اجازت چاہی اور راضی خوشی رخصت ہو' ماں کے گھر آئی۔ ایک ہفتہ برابر یہاں رہی اور جس جس بات میں باپ سے صلاح لینی تھی' اطمینان سے پوچھا گچھا۔

خان صاحب: عظمت نکل گئی؟

اصغری: سب آپ کے طفیل سے بخیر انجام ہوا۔ نہ بڑے بھائی لاہور جاتے' نہ ابا جان آتے' نہ برسوں کا حساب طے ہوتا' نہ عظمت نکلتی۔

خان صاحب: اب گھر کا انتظام کیوں کر ہوگا؟

اصغری: ماما کے نکلتے میں تو ادھر چلی آئی۔ اب انتظام کیا مشکل ہے۔ اسی عظمت کی خرابی تھی۔ اب انشاءاللہ میں سب دیکھ بھال لوں گی۔

خان صاحب: اور کیا کیا باتیں تم نے اس گھر میں ایجاد کیں؟

اصغری: ابھی میں نے کچھ دیکھا بھالا نہیں۔ شروع سے عظمت کا جھگڑا درپیش آ گیا۔ اب البتہ ارادہ ہے کہ ہر ایک کو سوچوں اور انتظام کروں۔ خدا نے چاہا تو آپ کو خط کے ذریعے اطلاع دیتی رہوں گی۔

خان صاحب نے نکاح کے بعد سے اصغری کا دس روپے کا مہینا مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے اصغری سے پوچھا ''اگر تم کو تکلیف رہتی ہو تو میں کچھ روپے تم کو اور دیتا ہوں۔''

اصغری: وہی دس روپے میری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ بلکہ آج تک کا روپیہ سب میرے پاس جمع ہے۔ زیادہ لے کر کیا کروں گی۔ جب ضرورت ہوگی تو میں خود مانگ لوں گی۔

غرض باپ سے اصغری رخصت ہو آئی۔ سسرال میں آ کر دیکھا کہ ساس چولہا پھونک رہی ہیں۔ اصغری نے حیرت سے پوچھا ''ایں! اب تک کوئی ماما نہیں رکھی گئی؟''

ساس: آنے کو تو کئی عورتیں آئیں' پر تنخواہ سن کر ہمت نہیں پڑتی کسی کو نوکر رکھنے کی۔ عظمت بری تھی مگر آٹھ آنے مہینے پر پچیس برس اس نے نوکری کی۔ اب جو ماما آتی ہے دو روپے اور کھانے سے کم کا نام نہیں لیتی۔

اصغری: ماما تو ایک میری نظر میں بھی ہے' لیکن تنخواہ وہ زیادہ مانگتی ہے۔ کفایت النساء کی چھوٹی بہن دیانت النساء پکانا سینا

سب جانتی ہے اور ایک دفعہ کفایت النساء نے بھی کہا تھا کہ کوئی اچھا ٹھکانہ ہوتو دیانت النساء نوکری کرنے کو موجود ہے۔

محمد کامل کی ماں: وہ کیا تنخواہ لے گی؟

اصغری: وہ تو اپنے منہ سے تین روپے اور کھانا مانگتی ہے' لیکن سمجھانے سے شاید دو روپے پر راضی ہو جائے۔

محمد کامل کی ماں: دو روپے اور کھانا دینا ہوتو دروازے پر بھوندو بھٹیارے کی بی بی چنیا کی ماں منتیں کرتی ہے۔

اصغری: چنیا کی ماں کو تو میں چار آنے پر بھی نہ رکھوں۔

محمد کامل کی ماں: اے کیوں؟

اصغری: پاس کا رہنے والا آدمی برا۔ آنکھ بچی اور جو چیز چاہی گھر میں لے جا کر رکھ آئی اور جب گھر سے گھر ملا ہے تو ہر گھڑی چنیا کی ماں اپنے گھر جائے گی اور شاید رات کو بھی اپنے گھر رہے۔

محمد کامل کی ماں: بخشو کی بیوی نے اپنی بیٹی زلفن کے واسطے مجھ سے کئی مرتبہ کہا ہے۔ زلفن تو سید فیروز کے بنگلے میں رہتی ہے۔

اصغری: وہی زلفن نا! جو خوب بنی ٹھنی رہتی ہے؟

محمد کامل کی ماں: بنی ٹھنی کیا رہتی ہے' نئی بیاہی ہوئی ہے۔ نئے نئے کپڑے لتے کا ذرا شوق ہے۔

اصغری: ایسا آدمی بھی نہیں رکھنا چاہیے۔

محمد کامل کی ماں: خود زلفن کی ماں نوکری کرنے کو راضی ہے۔

اصغری: ان کے ساتھ ایک دم چھلا چھوٹی بیٹی کا لگا ہوا ہے۔ وہ ایک دم ماں کو نہیں چھوڑتی۔ پس نام تو ایک آدمی کا ہوگا اور کھائیں گے دو دو۔

محمد کامل کی ماں: اور کوئی آدمی میرے خیال میں نہیں آتا۔

اصغری: دیکھو' اسی دیانت النساء کو بلاؤں گی۔

محمد کامل کی ماں: اور تنخواہ کا کیا ہوگا؟

اصغری: ایماندار آدمی تو کم تنخواہ پر ملنا محال ہے۔ ان لوگوں کو دو کی جگہ دینے گوارا ہیں لیکن ماما عظمت جیسی کو آٹھ آنے دے کر گھر لٹوانا منظور نہیں۔ وہ کہاوت سچ ہے' گراں بہ حکمت' ارزاں بہ علت۔

اس وقت کھانا تو ساس بہو نے مل کر پکا پکوالیا۔ کھانے کے بعد اصغری محمودہ کو ساتھ لے کر کوٹھے پر چلی گئی۔ جب تک مولوی صاحب رہے' اصغری نے کوٹھے پر سے اترنا بہت کم کر دیا تھا۔ صرف صبح وشام نیچے اترتی تھی۔ بلکہ محمودہ کو بھی منع کر

دیا تھا کہ بے وقت نیچے مت جایا کرو۔ محمودہ تو لڑکی تھی' اس نے پوچھا ''اچھی بھابی جان' کیوں؟'' اصغری نے کہا ''بڑوں کے سامنے ہر وقت نہیں چلتے پھرتے۔''

باب اکیسواں

گھر کے خرچ کا تعین

کھانے کے بعد گھر کے حساب کتاب میں مولوی صاحب سے اور بی بی سے لڑائی ہونے لگی۔ بی بی کو شکایت تھی کہ تم خرچ بہت تھوڑا بھیجتے ہو۔ یہاں شادی بیاہ' برادری کا لینا دینا' آنا جانا' تیز تیوہار' سب مجھ کو کرنا پڑتا ہے۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ بیس روپے مہینا تھوڑا نہیں ہے۔ تم کو انتظام کا سلیقہ نہیں۔ اسی سبب گھر میں بے برکتی رہتی ہے۔ اتنے میں مولوی صاحب نے محمودہ کو آواز دی۔ محمودہ آئی تو کہا ''بھابی کو بلا کر لاؤ۔'' اصغری نے طلب کی خبر سنی تو حیران ہوئی کہ اس وقت کیوں بلایا۔ محمودہ سے پوچھا ''کیا ہو رہا ہے؟'' محمودہ نے کہا ''لڑائی ہو رہی ہے۔'' اصغری گئی تو مولوی صاحب نے کہا۔

''کیوں بیٹا' اب انتظام کون کرے گا؟''

اصغری نے کہا ''اماں جان کریں گی جس طرح تک کرتی تھیں۔''

مولوی صاحب نے کہا ''ان کے انتظام کا نتیجہ تو میں نے دیکھ لیا۔ بیس روپے مہینا جس گھر میں آتا ہو' اس کی یہی صورت ہوتی ہے کہ نہ سلیقے کا کوئی برتن ہے' نہ عزت کی کوئی چیز۔ اگر کسی وقت ایک چمچہ شربت درکار ہو تو خدا نے چاہا اس کا سامان بھی گھر میں نہ نکلے گا۔''

اصغری: اماں جان اس میں کیا قصور ہے؟ عظمت نامراد نے گھر خراب کیا۔

مولوی صاحب: ان میں انتظام کی عقل ہوتی تو عظمت کی کیا طاقت تھی؟ عظمت نوکر تھی یا گھر کی مختار تھی؟

اصغری: پچیس برس پرانا آدمی جب لوٹنے پر کمر باندھے تو اس کے فریب کو کون جان سکتا ہے؟ ایسے پرانے آدمی پر تو شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

مولوی صاحب: تم کو آخر شبہ ہوا یا نہ ہوا؟

اصغری: مجھ کو کیا شبہ ہوا' اس نے نالش کا ذکر چھیڑ کر سوئی ہوئی بھڑوں کو جگایا۔

اتنے میں ساس بولیں ''پچاس میں سے تم اپنے اکیلے دم کے واسطے تو تیس روپے رکھو اور یہاں کنبے کے واسطے بیس۔''

مولوی صاحب: گھر کا خرچ اور باہر کا خرچ کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ تم نے تو مجھ کو اکیلا سمجھ لیا اور خدمت گار' سواری' مکان' کپڑا لتا؟

بیوی: سواری اور مکان تو سرکار سے ملتا ہے۔

مولوی صاحب: گھوڑا' دانہ گھاس تو مجھ کو اپنی گرہ سے کھلانا پڑتا ہے۔ چار روپے کا سائیس اور مکان کی مرمت۔ پھر سرکار دربار کے موافق حیثیت 'لینا' دینا' ہزار بکھیڑے ہیں۔ نہیں معلوم میں کس طرح گزران کرتا ہوں۔

اصغری نے ساس کی طرف مخاطب ہو کر کہا ''اماں جان بیس روپے میں تکرار کرنے سے فائدہ؟ جتنا ملتا ہے' ہزار شکر ہے۔ خدا ابا جان کی کمائی میں برکت دے۔ یہ بھی ہزاروں ہیں۔''

ساس: بیٹی مجھ سے تو بیس میں گھر نہیں چلتا۔

اصغری نے اشارے سے ساس کو روکا اور مولوی صاحب سے کہا ''آپ چاہے دو روپے اور کم دیجئے لیکن جو کچھ دیجئے' ماہ بہ ماہ ملا کرے۔ جب وقت پر پیسہ پاس نہیں ہوتا تو ناچار قرض لینا پڑتا ہے اور قرض سے گھر کی رہی سہی برکت بھی اڑ جاتی ہے۔

مولوی صاحب: ہندوستانی سرکاروں میں تنخواہوں کا دستور قاعدہ بہت خراب ہے۔ کبھی چھٹے مہینے تقسیم ہوتی ہے کبھی برسویں دن ملتی ہے۔ اس سبب سے خرچ کا معمول نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہزاری مل سے میں کہہ جاؤں گا کہ ہر مہینے تم کو بیس روپے دے دیا کرے۔

اصغری: مہاجن دے جائے گا تو وہ آپ سے سود مانگے گا۔

مولوی صاحب: نہیں سود کیا لے گا۔ ہماری سرکار میں بھی اس کا لین دین ہے۔ وہاں سے حکم آ جائے گا۔

اصغری: ہاں تو اس کا مضائقہ نہیں۔

غرض بیس روپے تنخواہ ٹھہر گئی۔ لیکن محمد کامل کی ماں کو ناگوار ہوا اور الگ لے جا کر اصغری سے گلہ کیا۔ اصغری نے کہا ''گھر تو بیس میں انشاء اللہ میں چلا چلوں گی۔ اس کا آپ کچھ فکر نہ کیجئے۔ اور مولوی صاحب واقع میں تیس روپے سے کم میں اپنی حیثیت درست نہیں رکھ سکتے۔ مختار کی نوکری میں اول تو اوپر سے آمدنی کی کوئی صورت نہیں اور ہو بھی تو مولوی صاحب کیوں لینے لگے؟ پس گئی بوٹی نیا شوربا۔ مولوی صاحب خود تکلیف میں رہیں اور دو چار روپے گھر میں زیادہ آئے تو مناسب نہیں۔''

یہ سن کر ساس چپ ہو رہیں۔

باب بائیسواں

ماما عظمت کی جگہ دیانت النساء رکھی گئی۔

اصغری کا انتظام خانہ دار

اصغری نے دیانت النساء کو بلا بھیجا اور کہہ سن کر دو روپے اور کھانے پر راضی کر لیا اور جتا دیا کہ دیانت النساء خبر دار! کوئی بات ایسی نہ ہو کہ تمہارے اعتبار میں فرق آئے۔ جس طرح تمہاری بڑی بہن ہمارے گھر رہتی ہے' اسی طرح تم رہنا۔

دیانت النساء نے کہا ''بیوی' خدا اس گھڑی کو موت دے کہ پرائے مال پر نظر کروں۔ ضرورت ہو تو تم سے مانگ کر کھا لوں اور نہ ملے تو بھوکی بیٹھی رہوں' پر بے حکم نون تک چکھنا حرام سمجھتی ہوں۔''

عید کے اگلے دن مولوی صاحب تو لاہور سدھارے اور ضرورت کی سب چیزیں اصغری نے اکٹھی منگوا لیں۔ اور آئندہ ہمیشہ فصل پر سستی دیکھ کر اکٹھی چیزیں لے رکھتی تھی مرچ' پیاز دھنیا' اناج' دالیں' چاول' کھانڈ' گھی' لکڑی' اپلے' سکھانے کی ترکاریاں ہر چیز وقت مناسب پر خرید کی جاتی تھی ماما ملا کر پانچ آدمی تھے۔ دونوں وقت میں سیر بھر گوشت آتا تھا۔ اس میں دیانت النساء دو طرح کا کر لیتی تھی۔ کبھی آدھے میں ترکاری اور آدھا سادہ۔ کبھی آدھے میں کباب۔ سالن کے علاوہ دن کو ایک وقت دال' ساتویں دن پلاؤ اور میٹھے چاولوں کا معمول تھا۔ گھر میں دو تین قسم کی چٹنی کوئی چاشنی دار' کوئی عرق نعناع کی' کوئی سرکے کی۔ دو چار قسم کا اچار مربہ بنا رکھا۔ ان کے علاوہ شربت انار' لیموں کی سکنجبین' شربت بنفشہ' شربت نیلوفر' شربت فالسہ کی ایک ایک بوتل بنا لی۔ ہر طرح کا ضروری سامان گھر میں رہا کرتا تھا۔ باوجود اس سامان کے پندرہ روپے سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا۔ پانچ روپے جو بچتے تھے' اس سے بڑے بڑے پنسیرے اور دس سیرے دو پتیلے' ایک سینی' کچھ چھوٹے چمچے' دو لوٹے' ایک عدد چائے کے لوازم' اس قسم کی چیزیں خرید ہوئیں۔ دو صندوق بنوائے گئے۔ الماریاں ایک باورچی خانے میں' ایک اسباب کی کوٹھڑی میں۔ بیٹھنے کے تخت پرانے تھے' وہ درست ہوئے۔ دو پلنگ تیار ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اصغری نے اسی بیس روپے میں گھر کو وہ جلا دی کہ ظاہر حال میں بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ ہر چیز میں کفایت اور انتظام کو دخل دیا۔

عظمت کے وقتوں میں ہمیشہ محمودہ کے واسطے تین چار پیسے روز کا سودا بازار سے آتا تھا۔ اس واسطے کہ کبھی دستر خوان میں ایک ٹکڑا نہیں بچا۔ اب دونوں وقت دو چار روٹیاں دستر خوان میں رہنے لگیں۔ کبھی بھنتے میں سے دو بوٹیاں محمودہ کے لیے

نکال رکھیں۔ کبھی ایک چٹکی کھانڈ نکال دی۔ کبھی مربے کی ایک پھانک دے دی۔ روز کا سودا موقوف ہوا۔ کسی دن کبھی کبھار جو محمودہ کا جی چاہا تو کچھ منگوا لیا۔ اس گھر سے فقیر کی عمر بھر ایک چٹکی آٹا یا آدھی روٹی نہیں ملتی۔ اب دونوں وقت دو دو روٹیاں فقیروں کو بھی دی جانے لگیں۔ گھر میں جو کچھ اسباب تھا' عجیب بد سلیقگی سے ساگ مولی کی طرح پڑا رہتا تھا۔ اب ہر ایک چیز ٹھکانے لگی۔ کپڑوں کی گٹھڑیاں ہیں تو کپڑے اچھی طرح تہہ کیے ہوئے' ترتیب سے بندھے ہیں۔ اناج پانی کی کوٹھڑی میں ہر ایک شے احتیاط سے ڈھکی ہوئی ہے۔ برتن صاف ستھرے اپنی جگہ رکھے ہیں۔ چینی کے الگ' تانبے کے الگ۔ گویا' گھر ایک کل تھی۔ جب کوک دیا کل اپنی معمول سے چلنے لگی۔ رفتہ رفتہ دو دو چار روپے پس انداز ہونے لگے اور اصغری ان کو بطور امانت علیحدہ جمع کرتی گئی۔ جب سے اصغری نے گھر کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لیا' قرض لینا ختم ہو گیا۔ بھول کر بھی دمڑی چھدام تک کی چیز بازار سے ادھار نہ آئی۔ اصغری گھر کا سب حساب کتاب ایک کتاب میں لکھا کرتی تھی۔ جب کوئی چیز ہو چکنے پر آئی اور دیانت النساء نے اطلاع کی کہ بیوی دو دن کا اور ہے۔ اصغری نے کتاب نکال کر دیکھی کہ کس تاریخ کو کتنا گھی اور کتنے روز کے حساب سے خرچ ہوا۔ اگر بے حساب ہوا تو دیانت سے باز پرس کی۔ مجال نہ تھی کہ کسی چیز میں فضول خرچی ہو اور بے حساب اٹھ جائے۔ پسائی دالی کی پسائیاں اور دھوبن کی دھلائیاں تک کتاب میں لکھی جاتی تھیں۔

باب تئیسواں

اصغری نے اپنے میاں سے کھیل کود
چھڑا کر اس کو پڑھنے پر متوجہ کیا

جب ہر ایک چیز کا معمول بندھ گیا اور انتظام بیٹھ گیا' اصغری دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہوئی۔ محمد کامل پڑھتا لکھتا تو تھا لیکن ویسی ہی بے تدبیری اور بے شوقی سے جس طرح آزاد مختار لڑکے پڑھا کرتے ہیں۔ باپ تو باہر رہتے تھے۔ محمد عاقل گو بڑا بھائی تھا لیکن دونوں بھائیوں میں صرف ڈھائی برس کی بڑائی چھٹائی تھی۔ محمد کامل پر اس کا دباؤ کم تھا بلکہ نہیں تھا۔ پس محمد کامل صبح و شام سبق بھی پڑھتا تھا اور ہم عمر لڑکوں میں گنجفہ' شطرنج' چوسر کھیلا کرتا تھا۔ بعض مرتبہ کھیل میں مصروف ہوتا تو پہر پہر بھر رات گئے گھر آتا۔ اصغری کو یہ حال معلوم تھا لیکن موقع ڈھونڈتی تھی کہ ایسے ڈھب سے کہنا چاہیے کہ ناگوارِ خاطر نہ ہو۔ ایک روز محمد کامل بہت رات گئے آیا اور شاید بازی جیت کر آیا تھا۔ خوش تھا۔ آتے کے ساتھ کھانا مانگا۔ دیانت النساء سالن گرم کرنے دوڑی۔ محمد کامل سمجھا کہ ابھی پکا رہی ہے۔ پوچھا ''ماما' ابھی تک تمہاری ہنڈیاں چولہے سے نہیں اتری؟''

اصغری نے کہا ''کئی دفعہ اتر اتر کر چڑھ چکی ہے۔ ایسے ناوقت تم کھانا کھاتے ہو کہ کھانا ٹھنڈا ہو کر مٹی ہو جاتا ہے۔ یا ایسا بندوبست کرو کہ سویرے کھا جایا کرو یا باہر کھانا منگوا لیا کرو۔ ادھر تمہارے انتظار میں اماں جان کو ہر روز تکلیف رہتی ہے۔''

محمد کامل: تم لوگ میرے منتظر رہتے ہو؟ میں تو جانتا تھا کہ تم کھا لیا کرتی ہو گی۔

اصغری: خدا رکھے مردوں کے ہوتے عورتوں کو کھانا ٹھونس بیٹھنا کیا مناسب ہے؟

محمد کامل: دو چار روز کی بات ہوتی تو گزر ہو سکتی ہے۔ آخر میری ہی نارضامندی کا خیال ہے تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم لوگ کھانا کھا لیا کرو۔

اصغری اس وقت تو چپ ہو رہی۔ کوٹھے پر پھر محمد کامل نے خوب چھیڑ کر اسی بات کو کہا تو اصغری بولی ''تعجب کی بات ہے۔ تم اپنے معمول کے خلاف نہیں کر سکتے اور ہم لوگوں سے چاہتے ہو کہ اپنا معمول توڑ دیں۔ تم ہی سویرے چلے آیا کرو۔''

محمد کامل: کھانے کے بعد باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا اور مجھ کو نیند دیر سے آتی ہے۔ گھر میں بے شغل پڑے پڑے جی

گھبراتا ہے۔اس واسطے قصداً دیر کر کے آتا ہوں کہ کھانے کے بعد سو رہوں۔

اصغری: شغل تو اپنے اختیار میں ہے۔آدمی اپنے وقت کو ضبط کر لے تو ہزاروں کام ہیں۔ایک پڑھنے کا شغل کیا کم ہے۔میں اپنے بڑے بھائی کو دیکھا کرتی تھی کہ آدھی آدھی رات تک کتاب دیکھتے اور جس دن اتفاق سے سو جاتے تو بڑا افسوس کیا کرتے تھے۔تم پڑھنے میں محنت کم کرتے ہو۔اس واسطے بے شغلی سے تمہارا جی گھبراتا ہے۔

محمد کامل: اور کیا محنت کروں؟ دونوں وقت سبق پڑھ لیتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں۔

اصغری: نہیں معلوم تم کیسا پڑھنا پڑھتے ہو۔جس دن عظمت کا حساب کتاب ہوا تھا' ابا جان تم سے حساب پوچھتے تھے اور تم بتا نہیں سکتے تھے۔مجھ کو شرم آتی تھی۔

محمد کامل: حساب دوسرا فن ہے۔میں عربی پڑھتا ہوں۔اس سے اور حساب سے کیا واسطہ؟

اصغری: پڑھنا لکھنا اسی واسطے ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی کام اٹکا نہ رہے۔بڑے بھائی فارسی بہت پڑھ گئے ہیں' لیکن نوکری نہیں ملتی۔ابا کہا کرتے ہیں کہ حساب کتاب اور کچہری کا کام جب تک نہ سیکھو گے نوکری کا خیال مت کرو۔اب مآل اندیش مدرسے میں پڑھتا ہے اور حساب کتاب میں بڑے بھائی سے زیادہ ہوشیار ہے۔ابا اس سے بہت خوش ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ دو برس مدرسے میں اور پڑھو پھر تم کو کہیں نہ کہیں نوکر کرا دوں گا۔

محمد کامل: تو میں بھی مدرسے میں داخل ہو جاؤں؟

اصغری: مدرسے میں داخل ہونے پر کیا منحصر ہے۔یوں شہر میں سکھانے والے نہیں؟ جتنا وقت تم کھیل میں ضائع کرتے ہو' اسی میں صرف کیا کرو۔

محمد کامل: کھیل کیا میں دن رات کھیلتا ہوں؟ کبھی گھڑی دو گھڑی کو بیٹھ گیا۔

اصغری: کھیلنا افیون کی سی عادت ہے۔تھوڑے سے شروع ہو کر بڑھتی جاتی ہے۔یہاں تک کہ لت پڑ جاتی ہے اور پھر اس کا چھوٹنا مشکل ہوتا ہے۔اول تو یہ کھیل گناہ ہیں۔اس کے علاوہ آدمی کو دوسرے کمال حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔کام کاج کے آدمی کبھی نہیں کھیلتے۔نکمّے لوگ البتہ اسی طرح دن کاٹتے ہیں۔ان کھیلوں میں جیسا بازی جیتنے سے جی خوش ہوتا ہے' ہارنے سے رنج بھی ہوتا ہے اور جس طرح وہ خوشی بے اصل ہوتی ہے' یہ رنج بھی ناحق ہوتا ہے۔اور اکثر کھیلتے کھیلتے آپس میں مفت کی تکرار ہو جاتی ہے۔میری صلاح مانو تو ان کھیلوں کو بالکل موقوف کرو۔لوگ تمہارے منہ پر تو کچھ نہیں کہتے لیکن پیچھے ہنستے ہیں۔پرسوں اترسوں کی بات ہے کہ تم کو کوئی مردوا بلانے آیا تھا۔ماما نے جواب دیا کہ باہر سدھار گئے ہیں۔اس مردوئے نے طعنے کے طور پر اپنے ساتھ والے سے کہا' میاں' ماسٹر حسینی کے مکان پر چلو۔وہاں

شطرنج کے جمگھٹے میں ملیں گے۔ ابا جان کا شہر میں بڑا نام ہے۔لوگ ان کے معتقد ہیں۔ایسی جگہ جانے سے آدمی بدنام ہوتا ہے۔میں نے ابا جان کو افسوس کرتے سنا کہ ہائے ہماری تقدیر! دولڑکوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہوا کہ اس کو دیکھ کر جی خوش ہوتا۔ عاقل کو کچھ لکھایا پڑھایا تھا۔اب وہ بھی اپنی نوکری کے پیچھے ایسا پڑھا ہے لکھا پڑھا بھی بھول گیا۔ یہ چھوٹے صاحب ہیں ان کو کھیل کود سے فرصت نہیں۔ بلکہ ہمارے ابا جان کو بھی کسی نے اس کی خبر کر دی۔مجھ سے پوچھتے تھے۔میں نے کسی طرح اس وقت بات کو ٹال دیا۔

اصغری کی نصیحت نے محمد کامل پر بہت عمدہ اثر کیا اور اس نے کھیلنا بالکل چھوڑ دیا' پہلے کی نسبت عربی پر زیادہ محنت کرنے لگا اور ایک مدرس سے مدرسے کے باہر حساب کتاب بھی سیکھنا شروع کر دیا۔خدا نے وقت میں بڑی برکت دی ہے۔اس کو انتظام کے ساتھ صرف کرنے سے چندروز میں محمد کامل کی استعداد عربی بھی درست ہوگئی اور حساب اور ریاضی کی کتابیں بھی نکل گئیں۔

باب چوبیسواں

اصغری نے لڑکیوں کا مکتب بٹھایا

محمد کامل تو ادھر مصروف رہا' اصغری نے اسی عرصے میں ایک اور کارخانہ جاری کیا۔ اس محلے میں حکیم روح اللہ خاں بڑے نامی گرامی آدمی تھے۔ حکیم صاحب خود تو سرکار مہاراجہ پٹیالہ میں دیوان تھے لیکن گھر بار' لڑکے بچے سب اسی محلے میں تھے۔ مکان' محلات' نوکر چاکر' بڑا کارخانہ تھا' اور یہ گھر شہر کے اونچے گھروں میں گنا جاتا تھا۔ اونچی جگہ رشتے ناتے' اونچے لوگوں سے راہ ورسم۔ حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی فتح اللہ خاں بہت مدت تک والیِ اندور کی سرکار میں مختار کل رہے اور جب اس سرکار میں منشی عموجان کو بڑا دخل ہوا' مصلحتِ وقت سمجھ کر کنارہ کش ہو گئے۔ لیکن لاکھوں روپیہ گھر میں تھا۔ نوکری کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ ہزاروں روپے کی املاک شہر میں خرید کر لی تھی۔ سینکڑوں روپیہ ماہواری کرائے کا چلا آتا تھا۔ بڑی شان سے رہتے تھے۔ ڈیوڑھی پر سپاہیوں کا گارد۔ اندر باہر تیس چالیس آدمی نوکر۔ گھوڑا ہاتھی' پالکی' بگھی سواری کو موجود۔

فتح اللہ خان کی دو بیٹیاں تھیں' جمال آرا اور حسن آرا۔ جمال آرا نواب اسفندیار خاں کے بیٹے سے بیاہی گئی تھیں۔ لیکن ایسی ناموافقت ہوئی کہ آخر کار قطع تعلق ہو گیا۔ کچھ خدانخواستہ طلاق نہیں ہوئی تھی لیکن کسی طرح کا واسطہ باقی نہیں رہا تھا۔ جہیز کا اسباب تک پھر آیا تھا۔ حسن آرا کی نسبت نواب جھجر کے خاندان میں ہوئی۔ ان لڑکیوں کی خالہ شاہ زمانی بیگم اسی محلے میں رہتی تھی جس میں اصغری کا میکہ تھا۔ اس محلے میں تو اصغری کی لیاقت کا شور تھا۔ شاہ زمانی بیگم بھی اصغری کے حال سے خوب واقف تھیں شادی بیاہ میں کئی مرتبہ ان کو دیکھا تھا۔ شاہ زمانی بیگم اپنی چھوٹی بہن حسن آرا کی ماں سے ملنے کے لیے آئیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر رنج سے خالی نہیں' اور یہ امر کچھ من جانب اللہ ہے اگر ہر طرف سے خوشی ہی خوشی ہو تو انسان خدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے اور نہ اپنے تئیں بندہ سمجھے۔ شاہ زمانی کی چھوٹی بہن سلطانہ کو دنیا کے سب عیش میسر تھے لیکن لڑکیوں کی طرف سے رنجیدہ خاطر رہا کرتی تھیں۔ ادھر جمال آرا بیاہ برات ہو ہوا کر اجڑی ہوئی گھر بیٹھی تھیں۔ ادھر حسن آرا کے مزاج کی افتاد ایسی بری پڑی تھی کہ اپنے گھر ہی میں سب سے بگاڑ تھا۔ نہ ماں کا لحاظ' نہ آپا کا ادب' نہ باپ کا ڈر۔ نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں۔ لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے رہتی تھی۔ شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہیے تھا کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چپ ہو کر بیٹھ جاتی' کیا ذکر! شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اترے دیر نہ ہوئی تھی کہ لگاتار دو تین فریادیں آئیں کہ بیگم صاحب دیکھیے چھوٹی صاحب زادی نے میری نئی اوڑھنی لیر لیر کر ڈالی۔ اب مجھے کون بنا کر دے گا؟ ساس نے فریاد مچائی کہ بیگم صاحب چھوٹی صاحب

زادی نے میرے گلے میں چلتا بھرلیا۔گلاب بلبلا اٹھی کہ ہائے! میرا کان خونا خون ہوگیا۔دائی چلائی کہ دیکھئے' میری لڑکی کم بخت کے اس زور سے لکڑی ماری کی بازو میں بدھی پڑگئی۔باورچی خانے سے ماما نے دہائی دی' اچھی' خدا کے لیے کوئی ان کو سمجھاتا۔سالن کی پتیلیوں میں مٹھیاں بھربھر کر راکھ جھونک رہی ہیں۔

شاہ زمانی بیگم نے آواز دی ''حسنا' یہاں آؤ۔''

خالہ کی آواز پہچان' بارے حسن آرا چلی تو آئی لیکن نہ سلام نہ دعا۔ہاتھوں میں راکھ'پاؤں میں کیچڑ۔اسی حالت میں دوڑ خالہ سے لپٹ گئی۔خالہ نے کہا ''حسنا تم بہت شوخی کرنے لگی ہو۔''

حسن آرا نے کہا ''اس سنبل چڑیل نے فریاد کی ہوگی۔'' یہ کہہ کر خالہ کی گود سے نکل' لپک کر سنبل کا سر کھسوٹ لیا۔بہتیرا خالہ ایں ایں کرتی رہیں' ایک نہ سنی۔

شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطب ہوکر بولیں ''بوا سلطانہ' اس لڑکی کے لیے تو خدا کے واسطے کوئی استانی رکھو۔''

سلطانہ بیگم: باجی اماں' کیا کروں؟ مہینوں سے استانی کی تلاش میں ہوں کہیں نہیں ملتی۔

شاہ زمانی بیگم: اوئی بوا۔تمہاری بھی کہاوت وہی ہے' ڈھونڈورا شہر میں' بچہ بغل میں۔خود تمہارے محلے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بہو لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے۔

سلطانہ: مجھ کو آج تک اطلاع نہیں۔دیکھو' میں آدمی بھیجتی ہوں۔

یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ کو بلایا کہ مانی جی کوئی مولوی صاحب اس محلے میں رہتے ہیں' باجی اماں کہتی ہیں' ان کی چھوٹی بہو بہت پڑھی لکھی ہیں۔دیکھو' اگر استانی گیری کی نوکری کریں تو ان کو بلالاؤ۔کھانا کپڑا اور دس روپیہ مہینا' پان زردے کا خرچ ہم دینے کی حاضر ہیں۔اور جب لڑکی پہلا سیپارہ ختم کرے گی اور ادب قاعدہ سیکھ جائے گی تو تنخواہ کے علاوہ استانی جی کو ہم یوں بھی خوش کردیں گے۔

مانی جی مولوی صاحب کے گھر آئیں۔محمد کامل کی ماں سے صاحب سلامت ہوئی۔پوچھا ''اچھی بی' مولوی صاحب کی بیوی تم ہی ہو؟''

دیانت النساء: ہاں یہی ہیں۔آؤ بیٹھو۔کہاں سے آئیں؟

مانی جی: تمہاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟

محمد کامل کی ماں: کوٹھے پر ہیں۔

مانی جی: میں ان کے پاس اوپر جاؤں گی۔

دیانت النساء: آپ اپنا پتہ نشان بتایئے۔ بہو صاحب یہیں آ جائیں گی۔

مانی جی: میں حکیم صاحب کے گھر سے آئی ہوں۔

محمد کامل کی ماں نے نام بنام سب چھوٹے بڑوں کی خیر و عافیت پوچھی اور مانی سے کہا "تمیز دار بہو سے کیا کام ہے؟"

مانی جی: وہی آئیں تو کہوں۔

تمیز دار بہو کے نیچے اترنے کا وقت آ گیا تھا' کیونکہ عصر کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اتر آتی تھی اور مغرب اور عشا دونوں نمازیں پڑھا کرتی تھی۔ اصغری کو مانی جی نے دیکھا تو استانی گیری کی نوکری کے واسطے کہتے ہوئے تامل کیا۔ باتوں ہی باتوں میں اتنا کہا کہ بیگم صاحب کو اپنی چھوٹی لڑکی کا تعلیم کرانا منظور ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے آپ کا ذکر کیا تو بیگم صاحب نے مجھ کو بھیجا۔

اصغری: دونوں بیگم صاحبوں کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا جو کچھ برا بھلا مجھ کو آتا ہے۔ مجھ کو کسی طرح کا عذر نہیں۔ اسی واسطے انسان پڑھتا لکھتا ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ اور بڑی بیگم صاحب کو معلوم ہوگا کہ میں اپنے محلے میں کتنی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی اور میرا جی بہت چاہتا ہے کہ بیگم صاحب کی لڑکی کو پڑھاؤں۔ لیکن کیا کروں' نہ تو بیگم صاحب لڑکی کو یہاں بھیجیں گی اور نہ ان کے گھر میرا جانا ہو سکتا ہے۔

مانی جی نے تنخواہ کا نام نہ لیا لیکن دبی زبان سے اتنا کہا کہ بیگم صاحب ہر طرح سے خرچ پات کی ذمے داری کرنے کو موجود ہیں۔

اصغری: یہ سب ان کی مہربانی ہے۔ ان کی ریاست کو یہی بات زیبا ہے لیکن ان کے زیر سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا ننگا بھوکا نہیں رکھتا۔ بن داموں کے لونڈی بن کر خدمت کرنے کو تو میں حاضر ہوں اور اگر تنخواہ دار استانی درکار ہو تو شہر میں بہت ملیں گی۔

اس کے بعد مانی جی نے اصغری کا حال پوچھا اور جب سنا کہ تحصیل دار کی بیٹی ہے اور مولوی صاحب بھی پچاس روپے ماہواری کے نوکر ہیں تو مانی کو ندامت ہوئی کہ نوکری کا اشارہ ناحق کیا۔ اصغری کی گفتگو سن کر مانی لٹو ہو گئی۔ ہر چند کہ نوابی کارخانے دیکھے ہوئے تھے مگر اصغری کی شستہ تقریر سن کر دنگ ہو گئی اور معذرت کی کہ بی مجھ کو معاف کرنا۔

اصغری: کیوں تم مجھ کو کانٹوں میں گھسیٹتی ہو؟ اول تو نوکری اور نوکری بھی حکیم صاحب کے گھر کی' کچھ عیب نہیں' گناہ نہیں۔ اور پھر ناواقفیت کے سبب اگر تم نے پوچھا تو کیا مضائقہ؟

غرض مانی جی رخصت ہوئیں اور وہاں جا کر کہا "بیگم صاحب' استانی تو واقعی میں لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے' جس

کی صورت دیکھنے سے آدمی بن جائے۔ پاس بیٹھنے سے انسانیت سیکھے۔ سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے۔ ہوا لگ جانے سے ادب پکڑے۔ لیکن نوکری کرنے والی نہیں۔ تحصیل دار کی بیٹی ہے۔ رئیس لاہور کے مختار کی بہو۔ گھر میں ماما نوکر ہے۔ دالان میں چاندنی بچھی ہے۔ سوزنی گاؤ تکیہ لگا ہے اچھی خوش گزران زندگی بھلا ان کو نوکری کی کیا پروا ہے۔

شاہ زمانی بولیں "سچ ہے بوا سلطانہ، تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا لیکن مجھ کو یقین نہ تھا کہ وہ نوکری کریں گی۔"

مانی جی: لیکن وہ تو ایسی آدمی ہیں کہ مفت پڑھانے کو خوشی سے راضی ہیں۔

سلطانہ نے پوچھا "کیا یہاں آ کر؟"

مانی جی: بھلا بیگم صاحب جو نوکری کی پرواہ نہیں کرتا، وہ یہاں کیوں آنے لگا۔

سلطانہ: کیا پھر لڑکی وہاں جایا کرے گی؟

شاہ زمانی: اس میں قباحت کی کیا بات ہے؟ دو قدم پر تو گھر ہے اور مولوی صاحب کو تم نے ایسا کیا سمجھا، بھائی علی نقی خان کی سگی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے ہیں۔

سلطانہ: آہا! تو ایک حساب سے ہماری برادری ہے۔

شاہ زمانی: لو خدا نہ کرے، کچھ ایسے ویسے ہیں۔ پہلے ان کا کام خوب بنا ہوا تھا۔ جب سے رئیس بگڑا بے چارے غریب ہو گئے۔ پھر بھی ماما ہمیشہ رہی۔ ڈیوڑھی پر بھی ایک دو آدمی رہتے ہیں۔

سلطانہ: خیر حسن آرا وہیں چلی جایا کرے گی۔

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں حسن آرا کو لے کر اصغری کے گھر آئیں۔ باوجودیکہ اصغری کے یہاں غریبی سامان تھا لیکن ان کے انتظام اور سلیقے کے سبب بیگموں کی وہ مدارات ہوئی کہ ہر طرح کی چیز وہیں بیٹھے بیٹھے موجود ہو گئی۔ دو چار طرح کا عطر، چوگھڑا، الائچی، چکنی ڈالی، چائے۔ بات کی بات میں سب موجود ہو گیا۔ خوب مزے کی گلوریاں تیار ہو گئیں۔ دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا کہ مہربانی کر کے اس کو دل سے پڑھا دیجئے۔

اصغری: اول تو خود مجھ کو کیا آتا ہے، مگر جو چار حرف بزرگوں کی عنایت سے آتے ہیں، انشاء اللہ ان کے بتانے میں اپنے مقدور بھر دریغ نہ کروں گی۔

چلتے ہوئے سلطانہ بیگم اصغری کو اشرفی دینے لگیں۔

اصغری: اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں پڑھوائی آپ سے لوں۔

سلطانہ: استغفر اللہ! پڑھوائی دینے کا ہمارا کیا منہ ہے۔ بسم اللہ کی مٹھائی ہے۔

اصغری: ہاں شروع میں تبرک کے طور پر مٹھائی بانٹ دیا کرتے ہیں۔ سواشرفی کیا ہوگی بچوں کا منہ میٹھا کرنے کو سیر آدھ سیر مٹھائی کافی ہے۔

یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کوٹھڑی میں سے ایک قاب بھر کر نکیتاں نکال لائی۔ اصغری نے خود فاتحہ پڑھ کر پہلے حسن آرا کو دی اور بھری قاب دیانت کو اٹھا دی کہ سب بچوں کو بانٹ دو۔

سلطانہ نے کہا ''اچھا تم نے مجھ کو شرمندہ کیا۔''

اصغری: ہم بے چارے غریب کس لائق ہیں۔ لیکن یہاں جو کچھ ہے وہ بھی آپ ہی کا ہے۔ البتہ میرا دینا یہی ہے کہ حسن آرا بیگم کو پڑھا دوں۔ سو خدا وہ دن لائے کہ میں آپ سے سرخرو ہوں۔

غرض دنیا سازی کی باتیں ہو ہوا کر شاہ زمانی بیگم چلی گئیں اور حسن آرا کو اصغری کے حوالے کر گئیں۔

باب پچیسواں

اصغری کا انتظامِ مکتبی

اصغری نے جس طرز پر حسن آرا کو تعلیم کیا' اس کی ایک کتاب جدا بنائی جائے گی۔ اگر یہاں وہ سب لکھا جاتا تو یہ کتاب بہت بڑھ جاتی۔ اس مقام پر اتنا ہی مطلب ہے کہ حسن آرا کے بیٹھتے ہی محلے کا محلّہ ٹوٹ پڑا۔ جس کو دیکھو اپنی لڑکی کو لیے چلا آتا ہے۔ لیکن اصغری نے شریف زادیوں کو چن لیا اور باقیوں کو حکمت عملی سے ٹال دیا کہ میں آئے دن اپنی ماں کے گھر جاتی رہتی ہوں' پڑھنا پڑھانا جب تک جم کر نہ ہو' بے فائدہ ہے۔ پھر بھی بیس لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ لیکن اصغری کو کسی لڑکی سے لینے لوانے کی قسم تھی۔ بلکہ ایک دو روپیہ اس کا اپنا لڑکیوں پر خرچ ہو جاتا تھا۔ صبح سے دوپہر تک پڑھنا ہوتا ہے اور پھر کھانے کے واسطے چار گھڑی کی چھٹی۔ اس کے بعد لکھنا اور پہر دن رہے سے سینا۔ سینے کا کام گنجائشی تھا۔ اس واسطے کہ نہ صرف سینا سکھایا جاتا تھا بلکہ ہر طرح کی جالی کاڑھنا' ہر ایک طرح کی سلائی' ہر ایک طرح کی قطع' مصالحہ بنانا اور ٹانکنا۔ اول اول تو اس کا سامان جمع کرنے میں اصغری کے دس روپے خرچ ہوئے۔ لیکن پھر تو اسی کام سے بچت ہونے لگی۔ جو کام لڑکیاں کرتیں' دیانت اس کو چپکے سے بازار میں لگا آتی۔

اس طور پر رفتہ رفتہ مکتب کی ایک بڑی رقم جمع ہو گئی۔ جو لڑکی غریب ہوتی' اسی رقم سے اس کے کپڑے بنائے جاتے۔ کتاب مول لی دی جاتی۔ لڑکیوں کو پانی پلانے اور پنکھا جھلنے کے واسطے خاص ایک عورت نوکر تھی اور مکتب کی رقم سے اس کو تنخواہ ملتی تھی۔ لڑکیوں کا یہ حال تھا کہ اور استانیوں کے پاس جاتے ہوئے ان کا دم فنا ہوتا تھا لیکن اصغری کی شاگردیں اس پر عاشق تھیں۔ ابھی سو کر نہیں اٹھی کہ لڑکیاں خود بخود آنی شروع ہوئیں۔ پہر رات گئے تک جمع رہتی تھیں اور مشکل سے جاتی تھیں۔ اس واسطے کہ اصغری سب کے ساتھ دل سے محبت کرتی تھی۔ اور پڑھانے کا طریقہ ایسا اچھا تھا کہ باتوں باتوں میں تعلیم ہوتی تھی۔ نہ یہ کہ صبح سے ریں ریں کا چرخہ جو چلا تو دن چھپے تک بند نہیں ہوتا۔ جس طرح اصغری کو اس کے باپ نے پڑھایا تھا۔ اسی طرح اصغری اپنی شاگردوں کو پڑھاتی تھی۔ پس یہ لڑکیاں شاگرد کی شاگرد اور سہیلی کی سہیلی تھیں۔ جب کسی لڑکی کا بیاہ ہوا' مکتب کی رقم سے اس کو تھوڑا بہت زیور چڑھایا جاتا تھا۔

اگر اصغری اپنے مکتب کو بڑھانا چاہتی تو تمام شہر کے مکتب اجڑ جاتے۔ سینکڑوں عورتیں اپنی لڑکیوں کے واسطے خوشامد کرتی تھیں اور خود لڑکیاں دوڑ دوڑ کر آتی تھیں۔ اس واسطے کہ وہ مکتبوں کی دن بھر کی قید' استانیوں کی سختی' پڑھنا کم' مار کھانا' کام کرنا بہت۔ دن بھر پڑھے تو صرف دو حرف۔ صبح و شام تو معمولی مار اور جہاں چپ کی اور استانی جی کی نظر پڑ گئی' آفت

آئی اور کام پوچھو تو صبح آتے کے ساتھ گھر میں جھاڑو دی۔ استانی جی اور استاد جی اور دس بارہ خلیفہ جی بلکہ پڑوسیوں تک کے بچھونے تہہ کیے اور چار چار پانچ پانچ نے مل کر کم بخت بھاری بوجھل چار پائیاں اٹھائیں۔ اب پھر دو چار کی شامت آئی تو سی پارہ لے کر بیٹھیں۔ منہ سے آواز نکلی اور استانی جی نے بیٹی پھینکنی شروع کی اور دو چار جو کسی اچھے کا منہ دیکھ کر اٹھی تھیں، کام دھندے میں لگ گئیں۔ کسی نے استانی جی کے لڑکے کو گود میں لیا۔ بوجھ کے مارے کولہا ٹوٹا جاتا ہے لیکن مار کے ڈر سے گردن پر بلا سوار ہے اور وقت ٹالتی پھرتی ہیں۔ بیٹی ہوئی لڑکیوں کی آواز برابر کان میں چلی آ رہی ہے۔ اس عذاب سے یہ مصیبت غنیمت معلوم ہوتی ہے۔ کسی نے رات کے جھوٹے برتن مانجھنے شروع کر دیے ہیں۔ گٹے پڑ گئے ہیں اور کندھے رہ رہ جاتے ہیں لیکن چھوٹی بہن پٹ رہی ہے اور چلا رہی ہے ''اچھی استانی جی، میں مر گئی۔ اچھی، میں تم پر واری گئی۔ اچھی خدا کے لیے۔ اچھی رسول کے لیے، اچھی میں خلیفہ جی کی لونڈی ہو گئی۔ ہائے رے! ہائے رے! ہائے رے! اوئی اماں!'' ان کاموں سے فراغت پائی تو مصالحہ پیسنے، آٹا گوندھنے، آگ سلگانے، گوشت بگھارنے کا وقت آیا۔ پھر دوپہر کو استانی جی کی نظر پڑ گئی آفت آئی۔ اور کام پوچھو تو صبح تم سبق یاد نہیں کرتیں۔ تمہارے سبب ہمارے مکتب کا نام بدنام ہوتا ہے۔ میں تمہاری اماں جان کو بلا کر کہہ دوں گی کہ بی تمہاری لڑکی یہاں نہیں پڑھتی۔ اس کو تم کسی دوسری استانی کے پاس بٹھا دو، اتنا کہا کہ لڑکی کا دم فنا ہوا۔ پھر سبق ہے کہ نوک زبان پر یاد ہے یا جس نے سبق یاد نہیں کیا، اس سے کہا گیا کہ لڑکیاں دوپہر کو سوئیں گی اور تم پڑھنا یہ کہنا تھا کہ اس نے جلدی جلدی سبق حفظ کیا۔

مکتب میں محمودہ اور حسن آرا دو خلیفہ تھیں۔ نہ یہاں جھاڑو دینی ہے، نہ بچھونے اٹھانے ہیں، نہ چار پائیاں ڈھونی ہیں، نہ برتن مانجھنے ہیں، نہ خلیفاؤں کو لادے لادے پھرنا ہے۔ بلکہ خود لڑکیوں پر ایک عورت نوکر تھی۔ محبت اور آرام۔ پڑھنا، لکھنا، سینا، تین کام۔ خوب شوق سے لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ اس مقام پر مکتب کی ایک حکایت لکھی جاتی ہے۔ جس سے اصغری کا طرز تعلیم مختصر طور پر معلوم ہو جائے گا۔

باب چھبیسواں

انتظامِ مکتب کے متعلق ایک دلچسپ حکایت

سفیہن ایک عورت تھی اور فضیلت اس کی بیٹی' کوئی دس برس کی ہوگی۔ اس فضیلت کو خود بخود پڑھنے لکھنے اور سینے پرونے کا شوق تھا۔ سفیہن یہ چاہتی تھی کہ فضیلت تمام گھر میں جھاڑو دے' لیپے' پوتے' برتن مانجھے۔ لیکن ایسے کاموں میں دل نہ لگتا۔ ماں کے کہے سنے سے کر تو دیتی مگر وہی بے دلی ہے۔ سفیہن جو ایک دن فضیلت پر ناخوش ہوئی تو ساتھ لے جا کر اصغری کے مکتب میں بٹھا آئی اور کہا کہ "استانی جی' یہ لڑکی بڑی نکمی ہے۔ جس کام کو کہتی ہوں' ٹکا سا جواب دے دیتی ہے۔ اس کو ایسا ادب دو کہ گھر کے کام پر اس کا جی لگے۔" اصغری نے جو دیکھا تو فضیلت کو اپنے ڈھب کا پایا۔ ادھر فضیلت کو اپنی مرضی کی استانی ملی۔ نور کے تڑکے آتی تو دوپہر کو کھانا کھانے جاتی' کھانا کھایا اور پھر بھاگی۔ پانی مکتب میں آکر پیتی اور تیسرے پہر کی آئی آئی کہیں چار گھڑی رات گئے جاتی۔ کبھی کبھی سفیہن اس کی خبر لینے مکتب میں آتی تو کئی دفعہ اس کو لڑکیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلتے دیکھا۔ دو چار دفعہ ہنڈ کلھیا پکاتے۔ ایک دن چار گھڑی رات گئی ہوگی' فضیلت کو جانے میں دیر ہوئی۔ سفیہن اس کو لینے آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ محمودہ کہانیاں کہہ رہی ہے اور مکتب کی سب لڑکیاں گھیرے ہوئے ہیں اور خود استانی جی بھی لڑکیوں میں بیٹھی ہوئی کہانیاں سن رہی ہیں۔ تب تو سفیہن کا جی جل کر خاک ہو گیا اور بولی کہ واہ استانی جی! اچھا تم نے لڑکیوں کا ناس مار رکھا ہے۔ جب کبھی میں فضیلت کو دیکھنے آئی کبھی میں نے اس کو پڑھتے نہ پایا۔ مکتب کیا ہے' اچھا کھیل خانہ ہے۔ تب ہی تو لڑکیاں دوڑ دوڑ کر آتی ہیں۔

سفیہن کی یہ بات سب ہی لڑکیوں کو ناگوار ہوئی اور خصوصاً اس کی بیٹی فضیلت کو۔ مگر استانی جی کے ادب سے کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ آخر خود استانی جی نے کہا کہ بوا' اگر تمہاری مرضی کے موافق تمہاری لڑکی کی تعلیم نہیں ہوتی تو تم کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کو اٹھا لے جاؤ۔ مگر مکتب پر ناحق کا الزام مت لگاؤ۔ بھلا میں تم سے پوچھتی ہوں' فضیلت نے مائی جی کے مکتب میں کتنے دنوں پڑھا؟

سفیہن نے کہا "میراں جی کے چڑھے چاند اس کو بٹھایا تھا۔ مدار بھر پڑھا۔ خواجہ معین الدین بھر پڑھتی رہی۔ ماہ رجب سے تمہارے ہاں ہے۔"

اصغری نے پوچھا "مائی جی کے ہاں فضیلت نے کیا پڑھا؟"

سفیہن نے کہا "تین مہینے میں والمحصنات کا سی پارہ اور آدھا لا یحب اللہ۔"

اصغری نے کہا ''تین مہینے میں ڈیڑھ سی پارہ تو مہینے میں آدھا سی پارہ ہوا۔ یہاں تمہاری فضیلت ماہ رجب سے ہے اور اب خالی کا چاند چڑھا ہے۔ چار مہینے ہوئے وما ابری نفسی کا سی پارہ کل ختم ہوا' یعنی ساڑھے سات سی پارے پڑھے۔ اس حساب سے مہینے پیچھے ایک سی پارے کے قریب ہوتا ہے۔ مائی جی کے مکتب سے دونا۔ اور جب فضیلت یہاں آئی تو کالی لکیر تو اس کو کھینچنی نہیں آتی تھی' اب نام لکھ لیتی ہے۔ اور بساط کے موافق حروف بھی برے نہیں ہوتے۔ بیس تک پوری گنتی نہیں جانتی تھی اور اب پندرہ کا پہاڑا یاد کرتی ہے۔ سینے میں قینچی تک سیدھی بھرنی نہیں آتی تھی۔ اب اس کے ہاتھ کا بخیہ دیکھو' لائیو عقیلہ ذرا بقچہ۔ فضیلت نے جو کرتی میں بخیہ کیا ہے اور ذرا ان کو دکھانا اور فضیلت کے ہاتھ کا کیکری' مرمرا' بوٹیاں' لہریا' چھڑیاں' خانہ توڑ' دیکھت بھولی' خاکہ' تارشار' چنبیلی کا جال' ترپن' بیل' برا بھلا جیسا کچھ ہو تو وہ بھی اٹھاتی لاؤ۔''

فضیلت بولی ''استانی جی میں جا کر لے آؤں'' یہ کہہ کر دوڑی جا اپنا کشیدہ اٹھا لائی۔ سفیہن ایک بات کے دس دس جواب سن کر ہکا بکا رہ گئی۔

اصغری نے کہا ''بوا' بولو۔ کچھ انصاف بھی ہے؟ چار مہینے میں تمہاری لڑکی اور کیا سیکھ لیتی۔''

سفیہن تو ایسی شرمندہ ہوئی کہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اب استانی جی سے آنکھ سامنے نہیں کر سکتی تھی۔ سفیہن کم بخت کے آنے سے محمودہ کی مزے کی کہانی تو رہ گئی سب لڑکیاں لگیں اس کی طرف گھور گھور کر دیکھنے۔ سفیہن نے کہا ''استانی جی' مجھ کو اس کی کیا خبر تھی۔ فضیلت دن بھر تو یہاں رہتی ہے۔ رات کو ایسی دیر کر کے جاتی ہے کہ کھانا کھایا اور سوئی۔ مجھ کو اس سے پوچھنے گچھنے کا اتفاق تو ہوتا نہیں۔ دو چار مرتبہ جو میں ادھر کو آ نکلی تو بھی گڑیاں کھیلتے پایا' کبھی ہنڈ کلھیا پکاتے' کبھی کہانیاں سنتے۔ اس سے مجھ کو خیال ہوا کہ یہ اپنا وقت کھیل کود میں کھوتی ہے۔ اب تو میرے منہ سے بات نکل گئی۔ معاف کیجئے۔''

اصغری: بے شک تمہارا شبہ بے جا نہیں تھا۔ لیکن میں کھیل ہی کھیل میں ان کو کام کی باتیں سکھاتی ہوں۔ ہنڈیاں کلھیوں میں لڑکیاں ہر ایک طرح کے کھانے کی ترکیب سیکھتی ہیں۔ مصالحے کا اندازہ' نمک کی اٹکل' ذائقے کی شناخت' بو باس کی پہچان ان کو آتی ہے۔ کیوں فضیلت' پرسوں جمعہ تھا' تم لڑکیوں نے ملا کر کتنا زردہ پکایا تھا؟ اس کی ترکیب اور حساب کتاب تو ہم کو سناؤ۔

فضیلت نے کہا ''حساب تو محمودہ بیگم نے اپنی کتاب میں لکھ رکھا ہے مگر ترکیب میں نے بموجب آپ کے فرمانے کے خوب دھیان لگا کر دیکھ لی ہے اور اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہے۔ سیر بھر چاول تھے' پہلے ان کو لگن میں بھگویا۔ شاید دھیلے کی ہار سنگھار کی ڈنڈیاں منگوائی تھیں۔ پیسے بھر ملی تھیں۔ ان کو کوئی سیر پانی میں جوش دیا۔ جب ابال آ گیا اور رنگ کٹ گیا تو

چھان کر عرق میں چاول نچوڑ کر ڈال دیئے۔ چاول ادھ کچرے ہو گئے اور ایک کنی رہی تو چاولوں کو کپڑے پر پھیلا دیا کہ جتنا پانی ہے سب نکل جائے۔ پھر آدھ پاؤ گھی دیگچی میں لونگوں کا بگھار دے کر کڑ کڑایا اور چاول ڈال دیئے۔ اوپر سے چاولوں کے ہم وزن کھانڈ دی اور اٹکل سے اتنا پانی ڈال دیا کہ چاول کی جو ایک کنی باقی رہی تھی' گل جائے۔ پھر کوئی ایک چھٹانک کشمش گھی میں کڑ کڑا کر جب پھول گئی' چاولوں میں ڈال دی اور اوپر تلے انگارے رکھ کر دم دے دیا۔"

اصغری: ترکیب تو درست ہے۔ لیکن چاولوں کو جو میں نے دیکھا تو بیٹھ گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کپڑے پر پھیلا کر ٹھنڈے پانی سے ان کو دھویا نہیں۔ پھر اصغری سفیہن کی طرف مخاطب ہو کر بولی "کیوں بوا' زردہ تو تمہاری لڑکی نے ٹھیک پکایا؟ یہ سب ہنڈکلہیا کی بدولت۔ بوا محمودہ' تم اپنے زردے کا حساب تو سناؤ۔"

محمودہ جا حساب کی کتاب اٹھا لائی اور کہا "استانی جی چھ سیر کے چاول' سیر بھر پونے تین آنے کے اور ایک پیسے کی ڈنڈیاں اور لونگیں۔ دو سیر کا گھی ہے۔ یوں پاؤں منگوایا پاؤں بگھارتے وقت ڈالا اور چھٹانک بھر کشمش کڑ کڑا کر دم دیتے وقت۔ ڈیڑھ آنے کا گھی ہوا اور چوسیری کھانڈ سیر بھر چار آنے کی' ایک پیسے کی کشمش۔ کل پونے گیارہ آنے کے پیسے خرچ ہوئے۔ دس لڑکیوں کا ساجھا تھا۔ پونے دو آنے تو میرے تھے اور فضیلت ایک' عقیلہ دو' حسن آرا تین' امتہ اللہ چار' عالیہ پانچ' سلمیٰ چھ' ام البنین سات' شکیلہ' جمیلہ' دونوں بہنیں نو۔ سب کا ایک ایک آنہ۔"

اصغری: محمودہ تم نے دھوکا کھایا۔

محمودہ نے سوچا تو کہا "ہاں استانی جی' چاولوں میں کوڑیاں بچیں' وہ نامراد بنئے نے ہضم کیں۔ اے ہے! ڈنڈیاں اور لونگیں ان ہی کوڑیوں میں آ جاتیں تو ایک پیسہ بچتا۔ دیانت جاتو' بنئے سے کوڑیاں مانگ کر لا۔"

اصغری: ایں ایں کیا کرتی ہو؟ کوڑیوں کا معاملہ' پرسوں کی بات۔ اب کچھ مت کہو۔ تمہاری غلطی کی سزا ہے کہ اتنا نقصان سہو۔ اصغری حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر بولی "زردے کی ترکیب اور لاگت تو معلوم ہوئی۔ بھلا دیگچہ بھرا سیر بھر زردہ تم نے کیا کیا؟"

حسن آرا: منجھولی دور کابیاں چوٹی دار بھر کر تو اللہ کے نام کی مسجد میں بھیج دیں۔ باقی میں تیرہ طشتریاں بھری گئیں۔ مکتب میں ہم سب پچیس لڑکیاں ہیں۔ دو دو میں ایک طشتری آئی' تیرھویں طشتری میں' میں اکیلی تھی۔

اصغری: کیا تم نے دوہرا حصہ لیا؟

حسن آرا: نہیں تو۔ میری طشتری آدھی ہی تھی۔ سب سے پوچھ لیجئے۔

اصغری: تم برادری سے الگ کیوں رہیں؟

حسن آرا تو چپ ہوئی' امتہ اللہ نے کہا ''استانی جی ان کو سب کے ساتھ کھاتے گھن آتی ہے۔''

حسن آرا: نہیں استانی جی' گھن کی بات نہیں۔ میں دستر خوان پر سب لڑکیوں سے پیچھے آئی۔ اس لیے اکیلی رہ گئی۔ آپ محمودہ بیگم سے دریافت کر لیجیے۔

امتہ اللہ: کیوں' تم ابھی تھوڑی دیر ہوئی میرا جھوٹا پانی پینے پر لڑ نہیں چکیں؟

حسن آرا: میں لڑی تھی یا صرف اتنی بات کہی تھی کہ جتنی پیاس ہوا کرے اسی قدر پانی لیا کرو۔ گلاس میں جھوٹا پانی چھوڑ دینا عیب کی بات ہے۔

پھر اصغری نے محمودہ سے پوچھا ''وہ رسالہ خوانِ نعمت جو میں نے تم کو دیا تھا' اس سے تم سب کھانے پکا کر دیکھ چکیں یا ابھی نہیں؟''

محمودہ نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا ''میں اپنی دانست میں سب پکوا چکی ہوں بلکہ کئی کئی بار نوبت آ چکی ہے۔ جتنی بڑی لڑکیاں ہیں' معمولی روزمرہ کے کھانوں کی ترکیب سب کو معلوم ہے۔ اس کے علاوہ بھی ہر قسم کے کباب' سیخ کے' پسندوں کے' شامی گولیوں کے' کوفتے' معمولی پلاؤ' قورمہ پلاؤ' کچی بریانی' نورمحلی زردہ' متنجن' سموسے میٹھے سلونے' قلمی بڑے دہی بڑے سہال' سیو' گھی کی تلی دال' کچوریاں' پاپڑ' بورانی' فیرنی' حلوا' سوہن' پپڑی کا' نرم اندرسے کی گولیاں' سب چیزیں بار بار پک چکی ہیں اور سب لڑکیوں نے پکتے دیکھیں بلکہ اپنے ہاتھوں پکائی ہیں۔ اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے مکتب میں ہنڈکلھیا کا تو نام ہے' جو چیز پکتی ہے خاصے ایک کنبے کے لائق پکتی ہے اور حسن آرا کو تو چٹنیوں اور مربوں سے بہت شوق ہے۔ یہ چیزیں ان کے سوائے اور لڑکیاں ذرا کم جانتی ہیں۔''

اس کے بعد اصغری نے سفیہن سے کہا۔ ''بوا اب تم کو یہاں کی ہنڈکلھیا کا فائدہ تو معلوم ہو گیا ہوگا۔ رات زیادہ ہو گئی۔ بعض لڑکیوں کے گھر دور ہیں۔ اگر کل آؤ تو گڑیوں کی سیر تم کو دکھائیں اور شام تک رہو اور کہانیاں بھی سنوائیں۔''

سب لوگ رخصت ہوئے۔ سفیہن چلتے چلتے اصغری کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی کہ استانی جی للہ میرا قصور معاف کیجیے گا۔

اگلے روز جو سفیہن آئی تو لڑکیوں کے کاڑھے ہوئے کشیدے' لڑکیوں کے بنے ہوئے گوٹے' لڑکیوں کے موڑے ہوئے گوکھرو' لڑکیوں کی بنائی ہوئی تو ئیاں اور چیپا' لڑکیوں کے قطع کیے ہوئے اور سیئے ہوئے مردانے اور زنانے کپڑے اصغری نے سب دکھائے جن کو دیکھنے سے سفیہن کو نہایت اچنبھا ہوا۔ اس کے بعد لڑکیوں کی گڑیوں کے گھر دکھائے۔ ان گھروں میں خانہ داری کا سب لوازمہ' فرش فروش' گاؤ تکیے' اگالدان' چلمچی' آفتابہ' پٹاری' پردہ' چلمن' چھت گیری' پنکھا'

مسہری، ہر طرح کے برتن، ہر طرح کا سامان آرائش اپنے اپنے ٹھکانے سے رکھا ہوا تھا۔ اور گڑیاں ایسی بجی ہوئی تھیں کہ عین مین شادی کے گھر میں مہمان جمع ہیں۔ جب گڑیوں کے گھروں کو دیکھ چکی تو اصغری نے سفیہن سے کہا کہ لڑکیاں کھیل کھیل میں گھر کا بندوبست، ہر طرح کی تقریبات، چھٹی، دودھ چھٹائی، کھیر چٹائی، بسم اللہ، روزہ، منگنی، عیدی، سانونی، محرم کی قفلیاں اور گوٹا، تیز تیوہار، ساچق، برسات، بھواڑ، بیاہ، چالے، چوتھی کی رسم سے واقفیت حاصل کرتی ہیں۔ بوا سفیہن، تمہاری لڑکی تو ابھی تھوڑے دنوں سے آتی ہے، جو لڑکیاں میرے مکتب میں بہت دنوں سے ہیں، جیسے یہ بیٹھی ام النبیین یا میری نند محمودہ یا حسن آرا، تو بہ تو بہ کر کے کہتی ہوں کہ اگر ان کو کسی بڑے بھرے پرے گھر کا انتظام اس وقت سونپ دیا جائے تو انشاء اللہ ایسا کریں گے جیسے کوئی مشاق اور تجربہ کار کرتی ہے۔ میں صرف پڑھنے پر تاکید نہیں کرتی، پڑھنے کے علاوہ ان کو دنیا کے کام کا بھی بتاتی ہوں جو چند روز بعد ان کے سر پڑے گا۔

یہ کہہ کر اصغری نے حسن آرا کو بلایا اور کہا کہ بوا، تمہاری گڑیا کا گھر تو خوب آراستہ ہے۔ صرف ایک کسر ہے کہ تمہاری گڑیوں کے پاس رنگین جوڑے نظر نہیں آتے۔ کیا تم کو رنگنا نہیں آتا؟

حسن آرا: رنگ تو محمودہ بیگم نے مجھ کو بہت سے سکھا دیے ہیں۔ یوں ہی آلکسی کے مارے نہیں رنگے۔

اصغری: بھلا بتاؤ تو؟

حسن آرا: استانی جی برسات کے رنگ سرخ، نارنجی، گل انار، گل شفتالو، سروئی، دھانی، روڈا، جاڑے کے گیندئی، جوگیا، عنابی، کاہی، تیلیا، کاکریزی، سیاہ، نیلا، گلابی، زعفرانی، کوکئی، کرنجوی اور گرمی کے پیازی، آبی، چمپئی، کپاسی، بادامی، کافوری، دودھیا، خشخاسی، فالسی، ملاگیری، سیندوریا۔ رنگ تو بہت ہیں مگر میں نے وہی بیان کیے جو اکثر پہنتے ہیں۔

اصغری: رنگوں کے نام تو تم نے بہت سے گنوا دیے، بھلا یہ تو بتاؤ کہ سب رنگ تم کو رنگنے بھی آتے ہیں؟

حسن آرا: میں نے ان رنگوں کے نام لیے ہیں جو مجھ کو خود رنگنے آتے ہیں۔

اصغری: بھلا بتاؤ تو سروئی کیوں کر رنگتے ہیں؟

حسن آرا: کاہی قند اچھے گہرے رنگ کی آدھ گز منگوائی اور پانی کو خوب جوش کر کے پھٹکری کی ڈلی اوپر، اوپر سے قند کا ٹکڑا ڈال کر ہلا دیا۔ پھٹکری کی تاثیر سے قند کا رنگ کٹ جائے گا۔ بس اس میں کپڑا رنگ لیا۔

اصغری: بھلا قند نہ ملے؟

حسن آرا: تو ٹیسو کے پھولوں کو جوش کر کے پھٹکری پیس کر ملا دی۔ سروئی ہو جائے گا۔ لیکن ہلکا کپاسی ہو گا۔ اچھا سروئی بے قند نہیں رنگا جاتا اور اگر قند کی جگہ بانات کا رنگ کاٹا جائے تو وہ عمدہ رنگ آتا ہے کہ سبحان اللہ! لیکن ان دنوں مجھن ایسا

چلا ہے کہ سب رنگوں کو مات کیا ہے۔ کپڑے تو کپڑے مٹھائی' کھانے کا گوٹا' مجشن میں نہایت خوش رنگ رنگا جاتا ہے۔ بڑی آپا جان نے مجشن کے رنگ کا زردہ پکا کر بھیجا تھا۔ زعفران سے بہتر رنگ تھا۔

اصغری خانم نے گھبرا کر پوچھا "حسن آرا کہیں تم نے وہ مجنٹن کے رنگ ہوئے چاول کھائے تو نہیں؟"

حسن آرا: میں نے کھائے تو نہیں۔ لیکن استانی جی' کیوں؟ کچھ بری بات ہے؟

اصغری خانم: اے ہے! مجنٹن میں سنکھیا پڑتی ہے۔ خبردار! مجنٹن کی کوئی چیز زبان پر مت رکھنا۔

حسن آرا: میں نے تو مجنٹن کا رنگا ہوا گوٹا محرم میں بہت کھایا۔

اصغری خانم: کیا ہوا۔ رمق برابر مجنٹن میں تو بہتیرا گوٹا رنگا جاتا ہے۔ اس سبب سے تم کو کچھ نقصان نہ ہوا۔ لیکن یاد رکھو کہ اس میں زہر ہے۔

حسن آرا: مجنٹن کی رنگی ہوئی مٹھائی لوگ منوں کھاتے ہیں۔

اصغری خانم: بہت برا کرتے ہیں۔ زہر جب اپنی مقدار پر پہنچ جائے گا' ضرور اثر کرے گا۔

شام ہوئی تو لڑکیاں اپنے اپنے کشیدے اور کتابیں رکھ' معمول کے مطابق کھیلنے اور کہانیاں اور پہیلیاں کہنے سننے کو آ بیٹھیں۔ اصغری نے سفیہن سے کہا کہ یہاں چڑے چڑیا کی کہانیاں نہیں ہوتیں۔ کہانیوں کی ایک بہت عمدہ کتاب ہے' منتخب الحکایات' جس میں بڑی اچھی اچھی کہانیاں ہیں اور ہر ایک کہانی ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ اب یہ لڑکیاں اسی کتاب کی کہانیوں سے جی بہلائیں گی۔ کہانیاں کہنے سے ان کی تقریر صاف ہوتی ہے۔ ادائے مطلب کی استعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اور جب کبھی مجھ کو فرصت ہوتی ہے تو میں کہانیوں کے بیچ بیچ میں ان سے الجھتی جاتی ہوں اور جیسی ان کی سمجھ ہے' یہ میری بات کا جواب دیتی ہیں۔ اگر نا درست ہوتا ہے' میں بتا دیتی ہوں۔ پہیلیوں کے بوجھنے سے ان کی عقل کو ترقی اور ان کے ذہنوں کو تیزی ہوتی ہے۔ لیکن تم ان میں بیٹھ کر سیر دیکھو۔ مجھ کو آج عالیہ کی ماں نے بلا بھیجا ہے۔ ان کے بچے کا جی اچھا نہیں۔ بہت بہت منتیں کہلا بھیجی ہیں۔ نہ جاؤں گی تو برا مانیں گی اور میرا جی نہیں مانتا۔

سفیہن: ہاں میں نے بھی سنا ہے کہ ان کے لڑکے نے کئی دن سے دودھ نہیں پیا۔ بے چاری بہت ہراساں ہو رہی ہیں۔ اے ہے! خدا کرے نگوڑا جیتا رہے۔ بڑی اللہ آمین کا بچہ ہے۔ دس برس پھڑک پھڑک کر خدا نے یہ صورت دکھائی ہے۔ عالیہ کے اوپر یہی تو ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ استانی جی' تم کو علاج کے واسطے بلایا ہوگا۔

اصغری: علاج ولاج تو مجھ کو کچھ بھی نہیں آتا۔ ایک مرتبہ پہلے اسی لڑکے کو پیاس ہو گئی تھی۔ میں نے زہرمہرہ' بنسلوچن' گلاب کا زیرا' چھوٹی الائچی' زیرے کی گری' کباب' چینی' خرفہ' اسی طرح کی دو چار دوائیں بتا دی تھیں۔ خدا کا

کرنا' لڑکا اچھا ہو گیا۔

سفیہن: استانی جی' تم تو ماشاء اللہ اچھی خاصی حکیم بھی ہو۔

اصغری: اجی اللہ اللہ کرو۔ حکیموں کا درجہ تو بہت بڑا ہے۔ میں بے چاری کیا حکیمی کروں گی۔ پر بات یہ ہے کہ ہمارے میکے میں دوا درمن کا بہت خیال ہے۔ جب میں چھوٹی تھی' جو دوا آتی' میں ہی اس کو چھانتی بتاتی اور خیال رکھتی۔ اسی طرح پر سنی سنائی دو چار دوائیں یاد ہیں۔ جس کو ضرورت ہوئی بتا دی۔ اور بچوں کا علاج تو عورتیں ہی کر لیا کرتی ہیں۔ جب مشکل آ پڑتی ہے تو حکیم کے پاس لے جاتے ہیں۔

سفیہن: استانی جی' تم نے مہربانی کر کے مجھ کو اپنے مکتب کا سب انتظام تو دکھایا۔ اللہ ذرا دم کے دم ٹھہر جاؤ تو میں دیکھ لوں کہ لڑکیاں کیوں کر کہانیاں کہتی ہیں اور کہانیوں میں کیوں کر تم تعلیم کرتی ہو۔

اصغری: بوا' مجھ کو تو دیر ہوتی ہے پر خیر' تمہاری خاطر ہے۔ اچھا لڑکیو' آج کس کی باری ہے؟

محمودہ: باری تو امتہ اللہ کی ہے لیکن فضیلت سے کہلائیے۔

اصغری: اچھا فضیلت جس کتاب میں سے تمہارا جی چاہے' جلدی سے کوئی بہت چھوٹی سی کہانی پڑھو۔

فضیلت نے کہانی شروع کی کہ ایک تھا بادشاہ۔۔۔۔۔

اصغری: بادشاہ کس کو کہتے ہیں؟

فضیلت: جیسے دہلی میں بہادر شاہ تھے۔

اصغری: یہ تو تم نے ایسی بات کہی کہ جو دہلی اور بہادر شاہ کو جانتا ہو وہی سمجھے۔

فضیلت: بادشاہ کہتے ہیں حاکم کو۔

اصغری: تو کوتوال تھانے دار بھی بادشاہ ہیں؟

فضیلت: نہیں۔ کوتوال تھانے دار تو بادشاہ نہیں ہیں۔ یہ تو بادشاہ کے نوکر ہیں۔

اصغری: کیوں؟ کیا کوتوال حاکم نہیں ہے؟

فضیلت: حاکم تو ہے لیکن بادشاہ سب سے بڑا حاکم ہوتا ہے اور سب پر حکم چلاتا ہے۔

اصغری: ہمارا بادشاہ کون ہے؟

فضیلت: جب سے بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے' تب سے تو کوئی بادشاہ نہیں۔ یہ سن کر سب لڑکیاں ہنس پڑیں۔

اصغری: فضیلت، تم بڑی نادان ہو۔ تم نے خود کہا کہ جو سب سے بڑا حاکم ہو اور سب پر حکم چلائے، وہ بادشاہ ہوتا ہے! اور یہ بھی جانتی ہو کہ بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے تو انگریز بادشاہ ہوئے یا نہ ہوئے؟

فضیلت: ہائے ہوئے تو سہی۔

اصغری: اچھا اب بتاؤ ہمارا بادشاہ کون ہے؟

فضیلت: انگریز۔

اصغری: کیا انگریز کسی خاص شخص کا نام ہے؟

فضیلت: نہیں سینکڑوں ہزاروں انگریز ہیں۔

اصغری: کیا سب انگریز بادشاہ ہیں؟

فضیلت: اور کیا۔

یہ سن کر پھر لڑکیاں ہنس پڑیں۔

اصغری نے حسن آرا کی طرف اشارہ کیا کہ تم جواب دو۔

حسن آرا: استانی جی ہمارا بادشاہ ملکہ وکٹوریہ ہے۔

اصغری: مرد یا عورت۔

حسن آرا: عورت ہے۔

اصغری: کہاں رہتی ہیں؟

حسن آرا: لندن میں۔

اصغری: لندن کہاں ہے؟

حسن آرا: انگریزوں کی ولایت میں ایک بہت بڑا شہر ہے۔

اصغری: کتنی دور ہوگا؟

حسن آرا: میں نے ایک کتاب میں چار ہزار کوس لکھا دیکھا ہے؟

اصغری: کوس کتنا لمبا ہوتا ہے؟

حسن آرا: استانی جی، سلطان نظام کو تین کوس کہتے ہیں۔

یہ سن کر محمودہ ہنسی اور کہا ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے۔

اصغری نے محمودہ سے پوچھا کہ اس مرتبہ جو میں قطب صاحب گئی تھی اور تم بھی میرے ساتھ تھیں' تم نے دیکھا ہوگا کہ یہاں سے جاتیوں کو بائیں ہاتھ' فاصلے سے سڑک پر پتھر گڑے تھے اور ان پتھروں پر کچھ لکھا ہوا بھی تھا۔ بھلا وہ پتھر کیسے تھے؟

محمودہ: میں اٹکل سے یہی سمجھی کہ کوسوں کے پتھر ہیں۔ لیکن گاڑی ایسی تیز تھی کہ پتھروں پر نگاہ نہیں جمتی تھی۔ میں خوب نہیں پڑھ سکی کہ ان پر کیا لکھا تھا۔

اصغری: وہ کوسوں کے پتھر نہیں تھے' میلوں کے پتھر تھے۔ آدھے کوس کا میل ہوتا ہے۔ ہر میل پر پتھر گڑا ہے۔ اس میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ یہاں سے دہلی اس قدر میل ہے اور قطب صاحب اتنے میل۔ اس کے بعد اصغری پھر حسن آرا کی طرف مخاطب ہوئی اور پوچھا ''ہاں بوا' لندن کس طرف ہے؟''

حسن آرا: اتر میں ہے۔

اصغری: وہ ملک گرم ہے یا سرد؟

حسن آرا: یہ تو میں نہیں جانتی۔

محمودہ: بڑا سرد ہے۔ جتنا اتر کو جاؤ گرمی کم ہوتی جاتی ہے اور جتنا دکھن کو چلو گرمی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

سفیہن: اچھی استانی جی' عورت بادشاہ ہے؟

اصغری: اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

سفیہن: تعجب کی بات کیوں نہیں؟ عورت ذات کیا کرتی ہوگی؟

اصغری: جو مرد بادشاہ کرتے ہیں' وہ عورت کرتی ہے۔ ملک کا بندوبست' رعیت کا پالنا۔

سفیہن: عورت تو کیا خاک کرتی ہوگی' کرتے تو سب کچھ انگریز ہوں گے۔ برائے نام عورت کو بادشاہ بنا رکھا ہو گا۔

اصغری: یہ سب انگریز ملکہ کے نوکر ہیں۔ ہر ایک کا کام الگ ہے ہر ایک اختیار جدا ہے۔ اپنے اپنے کام پر سب مستعد رہتے ہیں۔ اور جب مرد بادشاہ ہوتے ہیں تب بھی اکیلے بادشاہ ساری دنیا کو اٹھا کر اپنے سر پر نہیں رکھ لیا کرتے۔ نوکر چاکر ہی سب کام کرتے ہیں۔

سفیہن: میرا جی تو قبول نہیں کرتا کہ عورت ذات بادشاہت کر سکے۔

اصغری: تم نے بھوپال کی بیگم کا نام بھی سنا ہے؟

سفیہن: کیوں' سنا کیوں نہیں؟ خود میرے سسرے بھوپال میں نوکر ہیں۔

اصغری: بس' اس طرح سمجھ لو۔ بھوپال ذرا سا ملک ہے اور ملکہ وکٹوریہ کے پاس بڑی سلطنت ہے۔ جس طرح بھوپال کی بیگم اپنے چھوٹے ملک کا بندوبست کرتی ہیں' ملکہ وکٹوریہ اپنی بڑی سلطنت کا انتظام کرتی ہیں۔ بھوپال چھوٹی سرکار ہے' نوکر چاکر کم ہیں' اور تھوڑی تنخواہ پاتے ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کی سرکار بڑی عالی جاہ سرکار ہے۔ بڑے کارخانے' لاکھوں نوکر' تنخواہیں بیش قرار۔

سفیہن: اچھی' ملکہ کا کوئی میاں ہے؟

اصغری: ہاں مگر موت پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ چاند کو بھی خدا نے داغ لگا دیا ہے۔ کئی برس ہوئے ملکہ بیوہ ہو گئیں۔

سفیہن: ملکہ کی کوئی اولاد ہے؟

اصغری: ہاں خدا رکھے بیٹے' پوتے' بیٹیاں' نواسیاں سب کچھ ہے۔

سفیہن: اچھی' ملکہ اس ملک میں کیوں نہیں آتیں؟

اصغری: وہاں بھی بڑا ملک ہے۔ وہاں کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔ اور بادشاہوں کا اپنی جگہ سے ہلنا ایسی کیا آسان بات ہے؟ لیکن ان دونوں ان کا منجھلا بیٹا آنے والا ہے۔ بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میں نے اخبار میں دیکھا ہے۔

سفیہن: اچھی' ملکہ کو ہزاروں کوس دور بیٹھے یہاں کی خبر ہوتی ہو گی؟

اصغری: کیوں نہیں۔ ذرا ذرا خبر ہوتی ہے۔ ڈاک برقی پر رات دن خبریں آتی جاتی ہیں۔ ہزاروں اخبار ولایت جاتے ہیں۔

سفیہن: ملکہ کو کیوں کر دیکھیں؟

اصغری: کیوں کر بتاؤں؟ لیکن ان کی تصویر البتہ دیکھ سکتی ہو۔

سفیہن: خیر' تصویر ہی دیکھ لیتے۔

اصغری: بوا تم بھی تماشے کی باتیں کرتی ہو۔ کیا تم نے روپیہ دیکھا ہے۔

سفیہن: کیوں نہیں دیکھا۔

اصغری: عورت کا چہرہ جو بنا ہے وہ ملکہ کی تصویر ہے۔ خطوں کے ٹکٹوں پر ملکہ کی تصویر ہے۔ اور میرے پاس ملکہ کی بڑی عمدہ تصویر ہے۔ میرے ابا کو کسی انگریز نے دی تھی۔ وہ انہوں نے میرے پاس بھیج دی تھی۔ محمودہ ذری میرا صندوقچہ تو اٹھا لاؤ۔

صندوقچے میں اصغری نے ملکہ کی تصویر نکال کر دکھائی اور سب لڑکیوں نے نہایت شوق سے ملکہ کی تصویر دیکھی۔

سفیہن: کیا اچھی تصویر ہے! عین مین ملکہ کھڑی ہیں۔ بس بولنے کی دیر ہے۔

اصغری: بے شک یہ تصویر ہو بہو ملکہ کی ہے۔ روپے کے چہرے سے ملا کر دیکھو کتنا فرق ہے۔ یہ تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ ایک آئینہ ہوتا ہے۔ اس کو مصالحہ لگا کر سامنے رکھ دیتے ہیں' خود بخود جیسے کا تیسا عکس اتر آتا ہے۔

سفیہن: ملکہ کی صورت تو بہت ہی پاکیزہ ہے۔

اصغری: اب صورت کی پاکیزگی کو کیا دیکھتی ہو۔ ایک تو عمر۔ دوسرے بیوگی کا رنج۔ اور سب سے بڑھ کر ملک داری کے ترددات۔ پر ہاں' میں نے ملکہ کی اس وقت کی تصویر دیکھی تھی جب ان کا نیا نیا بیاہ ہوا تھا۔ بلا مبالغہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔

سفیہن: کیوں استانی جی' ملکہ کے بیٹے ہیں تو باپ کے مرنے پر بڑا بیٹا تخت پر کیوں نہ بیٹھا؟

اصغری: یہ تخت ملکہ کے شوہر کا نہیں بلکہ ملکہ نے اپنے چچا سے پایا ہے۔ اور ملکہ نے تخت نشین ہونے کے بہت دنوں بعد اپنا بیاہ کیا۔

سفیہن: ہاں تو یوں کہو کہ ملکہ کے شوہر بادشاہ نہ تھے۔

اصغری: نہیں' نہیں۔ مگر وہ شاہی خاندان سے تھے۔

سفیہن: مجھے تو رہ رہ کر یہی خیال آتا ہے کہ عورت سے ملک کا بندوبست کیا ہوتا ہوگا۔

اصغری: تم کیسی لغو اور لایعنی باتیں کرتی ہو! تم نے ملکہ کو اپنی جیسی یا میری جیسی عورت سمجھ رکھا ہے۔ اس سے تم کو تعجب ہوتا ہے۔ لیکن بیوی بنو' خدا جن کے رتبے بڑے کرتا ہے' ویسا ہی حوصلہ اور ویسی ہی عقل بھی ان کو دیتا ہے۔ نہ سب مرد یکساں اور نہ سب عورتیں یکساں۔ ہم کو اس کا کیا سوچ پڑ گیا کہ ملکہ اپنی عقل سے ملک کا بندوبست کرتی ہیں' جیسا کہ تم شبہ کرتی ہو۔ ہم کو تو بس اتنا کرنا ہے کہ ملکہ کی عمل داری میں (خدا ان کو سلامت رکھے) امن چین سے بیٹھے ہیں۔ کسی طرح کا زور نہیں' ظلم نہیں' جھینٹ نہیں' بیگار نہیں' لوٹ نہیں' کھسوٹ نہیں' مار نہیں' دھاڑ نہیں' لڑائی نہیں' جھگڑا نہیں۔ تم کو اس عمل داری کی جب قدر آئے کہ کسی دوسری عمل داری میں جا کر رہو۔ اور گئی تو میں بھی نہیں اور خدا نہ لے جائے' لیکن تاریخ کی کتابوں میں دیکھتی ہوں' اخبار پڑھتی ہوں۔ بعض ظالم بادشاہوں نے لوگوں کو ایسا ستایا ہے کہ ان کے حالات دیکھ کر کلیجہ تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔ اور اب بھی دنیا میں سبھی طرح کے بادشاہ ہیں۔ لیکن خلق خدا کو جیسا آرام ہماری وکٹوریہ کی عمل داری ہے' روئے زمین پر کہیں نہیں۔ یہ سچ ہے کہ ملکہ یہاں ہمارے پاس رہتی ہوتیں تو ہم لوگوں کو ان کی ذات سے بہت

فائدے پہنچتے۔ پھر بھی میں نے تحقیق سنا ہے کہ جب یہاں کی رعایا کی ذرا سی تکلیف بھی سن پاتی ہیں تو ان کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔ اور ملکہ کی رحم دلی اور خدا ترسی کی حکایتیں جو کبھی کبھی اخبار میں نظر سے گزری ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شک ان کو لوگوں کی پرداخت کا بہت بڑا خیال ہے اور سمجھتی ہوں کہ ہو نہ ہو ملکہ نے اپنے بیٹے کو بھی اسی غرض سے بھیجا ہے کہ اپنی آنکھوں سے رعیت کا حال دیکھو اور مجھ سے آ کر کہو۔

سفیہن: ملکہ کے بیٹے کب تک آنے والے ہیں؟

اصغری: ابھی روانگی کی تاریخ مقررہ نہیں ہوئی۔ مگر آنا ٹھہر چکا ہے۔ میں سمجھتی ہوں اصل خیر سے شاید ڈیڑھ دو مہینے میں داخل ہو جائیں گے۔

سفیہن: یہاں دلی بھی آئیں گے؟

اصغری: ضرور۔ تمام ہندوستان میں پھریں گے۔ دلی تو بڑا مشہور شہر ہے۔ سینکڑوں برس تک مسلمان بادشاہوں کا دارلسطنت رہا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ یہاں نہ آئیں۔

سفیہن: ہم کو کیا' ہماری طرف سے آئے نہ آئے دونوں برابر۔ ہم ان کو دیکھ تو سکتے ہی نہیں۔

اصغری: اور دیکھ بھی سکتیں تو کیا کرتیں؟ آنے دو۔ میں ان کی تصویر بھی تم کو دکھا دوں گی۔

سفیہن: استانی جی' اگر ملکہ کے بیٹے کی تصویر تمہارے پاس ہے تو ابھی دکھا دو نا۔

اصغری: میرے پاس ہے بھی نہیں اور میں نے دیکھی بھی نہیں۔ مگر ابا کلکتے کے دربار میں جانے والے ہیں۔ انہوں نے مجھ کو لکھا ہے کہ بن پڑا تو تمام شاہی خاندان کے لوگوں کی تصویریں تمہارے لیے لاؤں گا۔

سفیہن: حسن آرا نے لندن کو چار ہزار کوس بتایا تو کہیں برسوں میں یہاں سے وہاں تک آتے جاتے ہوں گے۔

اصغری: نہیں سمندر سمندر ایک مہینے میں بافراغت پہنچ جاتے ہیں۔

سفیہن: اے ہے! سمندر ہو کر جانا پڑتا ہے۔ نوج! انگریزوں کے بھی کیسے دل ہیں۔ ان کو سمندر سے ڈر نہیں لگتا؟ میرے تو سمندر کا نام سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

اصغری: سمندر سے ڈرنے کی کیا بات ہے؟ مزے میں جہاز میں بیٹھ لے۔ اچھا خاصا خانہ رواں بن گیا۔

سفیہن: اے ہے! استانی جی۔ ڈوبنے کا کیسا بڑا کھٹکا ہے۔ لوپار سال کی بات ہے۔ نواب قطب الدین خان کے ساتھ میری خلیا ساس حج کو گئی تھیں۔ کچھ ایسی گھڑی کی گئیں کہ پھر لوٹ کر آنا نصیب نہیں ہوا۔

اصغری خانم: ہاں' اتفاق کی بات ہے۔ جہاز کبھی کبھار ڈوب بھی جاتے ہیں اور اگر خدانخواستہ آئے دن ڈوبا کریں تو سفر

دریائی کا کوئی نام نہ لے۔ اب تو دریا کا راستہ خشکی کی سڑکوں سے زیادہ آباد ہو رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں جہاز رات دن آتے جاتے رہتے ہیں۔ انگریز اور ان کے بیوی بچے اور کل انگریزی اسباب سب جہاز کی راہ یہاں آتا ہے۔

سفیہن: انگریزوں کی عورتوں کا کیا ذکر، اور ہماری ان کی کیا ریس وہ تو باہر پڑی پھرتیاں ہیں۔ سنتی ہوں، ننھے بچوں کو ولایت بھیج دیتی ہیں اور ان کا دل نہیں کڑھتا۔ نہیں معلوم کس قسم کی مائیں ہیں۔ کیوں کر ان کے دل کو صبر آتا ہے۔ پھر باہر کی پھرنے والیاں اور پتھر کے کلیجے۔ ان کو ایک سمندر کیا، ہوا پر اڑنا بھی مشکل نہیں۔

اصغری خانم: باہر کے پھرنے کی جو تم نے کہی تو ان کے ملک میں پردے کا دستور نہیں۔ غدر کے دنوں میں ہم لوگ ایک گاؤں میں بھاگ کر گئے تھے۔ وہاں بھی پردے کا دستور نہ تھا۔ سب کی بہو بیٹیاں باہر نکلتی تھیں۔ لیکن میں تو چار مہینے وہاں رہی۔ باہر کی پھرنے والیوں میں وہ لحاظ دیکھا کہ خدا ہم سب پردے والیوں کو نصیب کرے۔ اور بچوں کو ولایت بھیج دینے سے تم کیوں کر سمجھیں کہ اولاد کی محبت نہیں؟ البتہ ان لوگوں کی محبت عقل کے ساتھ ہے۔ یہاں کی ماؤں کی طرح باؤلی محبت نہیں کہ اولاد کو پڑھنے سے روکیں، ہنر حاصل کرنے سے باز رکھیں۔ نام کو تو محبت اور حقیقت میں اولاد کے حق میں کانٹے بوتی ہیں۔ اولاد کو ناہموار اٹھاتی جاتی ہیں اور محبت کا نام بدنام کرتی ہیں۔

یہاں پہنچ کر سب نے سکوت کیا اور فضیلت نے اپنی کہانی پھر شروع کی: اس بادشاہ کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اکیلی ایک بیٹی تھی۔ بادشاہ نے یہ سمجھ کر کہ میرے بعد یہی لڑکی وارث سلطنت ہوگی، اس لڑکی کو خوب پڑھایا اور لکھوایا اور ملک داری کا قانون قاعدہ سب اچھی طرح سکھایا اور اپنے جیتے جی اسی کو ملک کا کام سونپ دیا۔ فضیلت یہاں تک پہنچی تھی کہ اصغری خانم نے کہا "بوا تم جھپ جھپ کہانی کہتی جاتی ہو اور میرے دل میں پوچھنے کی ہزاروں باتیں بھری ہیں۔ پر کیا کروں دن تو ہو چکنے پر آیا اور مجھ کو عالیہ کے گھر جانا ضرور ہے۔ شام کے وقت کسی کے گھر عیادت کو جانا بھی منع ہے۔ میں تو اب نہیں ٹھہر سکتی۔ تم لڑکیاں آپس میں کہو سنو۔" اور سفیہن سے کہا "لو بوا۔ اللہ بیلی میں تو جاتی ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو تم بیٹھی رہو یا کل پھر آ جانا۔ یہاں تو روز یہی ہوا کرتا ہے۔"

غرض اصغری خانم تو عالیہ کے گھر روانہ ہوئیں اور سفیہن ایسی رتجھیں کہ پہر رات تک لڑکیوں میں بیٹھی رہ گئیں۔ اصغری خانم کے پیچھے محمودہ اور حسن آرا نے کہانی کے بیچ بیچ میں خوب خوب مزے کی باتیں نکالیں۔

اس بیان سے اصغری کے مکتب کا انتظام اور اس کی تعلیم اور تلقین کا طریقہ بخوبی ظاہر ہے۔ اصغری بے شک حسن آرا کو بہت چاہتی تھی اور اس سے زیادہ اپنی نند محمودہ کو۔ حسن آرا کو اس خوبی سے پڑھایا کہ دو ہی برس میں اچھی خاصی طرح بے تکلف اردو لکھ پڑھ لیتی تھی۔ نہ اگلی سی بدمزاجی باقی رہی نہ پہلا سا چڑچڑا پن۔ بڑی غریب، لکھی پڑھی، ہنرمند، ہوشیار، نیک

پیاری بیٹی بن گئی۔ جمال آرا کا برسوں کا اجڑا ہوا گھر اصغری کی بدولت خدا نے پھر آباد کیا۔ لیکن یہ تمام قصہ دوسری کتاب میں لکھا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ حکیم جی کا تمام گھر' چھوٹے بڑے' اصغری کے پاؤں دھودھو کر پیتے تھے۔ سلطانہ بیگم نے لاکھ لاکھ جتن کیے کہ اصغری کچھ لے مگر اس خدا کی بندی نے اپنی آن نہ توڑی۔ جب حسن آرا کا بیاہ ہونے لگا تو بڑے حکیم صاحب نے مولوی محمد فاضل کا دباؤ ڈال کر اصغری کو ہزار روپے کے جڑاؤ کڑے دیئے اور کہا "سنو۔ تم میری پوتی اور نواسیوں کے برابر ہو۔ میں تم کو استانی گیری کی رو سے نہیں دیتا بلکہ اپنا بچہ سمجھ کر دیتا ہوں۔ اور نہ لو گی تو مجھ کو سخت ملال ہو گا۔" ادھر مولوی صاحب نے سمجھایا تو اصغری نے کڑے لے لیے۔

باب ستائیسواں

اصغری اپنے میاں کو نوکری کے رستے پر لگاتی ہے

ادھر تو اصغری اپنے مکتب میں مصروف تھی‘ ادھر محمد کامل بے روزگاری سے گھبراتا تھا۔ایک دن اصغری سے کہنے لگا ”اب میرا دل بہت گھبراتا ہے۔اگر تمہاری صلاح ہو تو میں تحصیل دار صاحب کے پاس پہاڑ پر چلا جاؤں اور ان کے ذریعے سے نوکری تلاش کروں۔“

اصغری نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا کہ نوکری کرنی تو بہت ضرور ہے۔اس واسطے کہ تم دیکھتے ہو کیسی تنگی سے گھر میں گزر ہوتی ہے۔ابا جان اب بڈھے ہوئے۔مناسب یہ ہے کہ وہ گھر بیٹھیں اور تم کما کر ان کی خدمت کرو۔علاوہ اس کے محمودہ بڑی ہوتی جاتی ہے۔میں اس کی منگنی کی فکر میں ہوں۔اور خدا راس لائے تو ارادہ یہ ہے کہ بہت اونچی جگہ اس کا بیاہ ہو اور میں تدبیر کر رہی ہوں۔انشاء اللہ اسی برس اس کی بات ٹھہری جاتی ہے لیکن اس کے واسطے بڑا سامان درکار ہو گا اور اس وقت تک کسی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں۔بھائی جان اول تو الگ ہیں اور پھر ایسی تھوڑی نوکری میں ان کی بسر اوقات نہیں ہو سکتی دوسرے کو کہاں دے سکتے ہیں۔بس سوائے اس کے کہ تم نوکری کرو اور کوئی صورت نہیں۔لیکن پہاڑ پر جانے کی میری صلاح نہیں۔ابا تو تمہارے واسطے کوشش کریں گے اور غالب ہے کہ جلد تر تم کو اچھی نوکری مل جائے گی۔لیکن کسی کا سہارا پکڑ کر نوکری کرنا کچھ ٹھیک سی بات نہیں۔بلا سے تھوڑی ہو‘ پر اپنے قوت بازو سے ہو۔گو ابا کوئی غیر نہیں ہیں۔رشتے میں بھی تم سے ان کا ہاتھ اونچا ہے۔ان سے لینا کیا بلکہ مانگنا بھی عیب نہیں۔پھر بھی خدا کسی کا احسان مند نہ کرے۔سدا کو آنکھ جھک جاتی ہے۔انہوں نے منہ پر نہ رکھا تو اللہ رکھے کنبے میں سو آدمی ہیں رُو در رُو نہ کہیں گے تو پیٹھ پیچھے ضرور کہیں گے کہ دیکھو سسرے کے سہارے نوکر ہو گئے۔

محمد کامل: پھر کیا کروں؟ لاہور چلا جاؤں؟

اصغری: لاہور میں کیا دھرا ہے؟ رئیس کی سرکار خود تباہ ہے۔ابا جان کو بھی نہیں معلوم‘ پہلے کا لحاظ مان کر وہ کس طرح پچاس روپے دیتا ہے۔نئے آدمی کی گنجائش اس کی سرکار میں کہاں؟

محمد کامل: اور بہت سرکاریں ہیں۔

اصغری: جب سے انگریزی عمل داری ہوئی‘ سب رئیس اسی طرح تباہ ہیں۔پچھلے نام نمود کو نباہتے ہیں۔اس سے دس پانچ صورتیں ان کے یہاں لگی لپٹی رہتی ہیں۔سو وہ بھی کیا خاک‘ برسوں تنخواہ نہیں ملتی۔

محمد کامل: پھر کیا علاج ہے؟

اصغری: انگریزی نوکری تلاش کرو۔

محمد کامل: انگریزی نوکری تو بے سعی سفارش کے نہیں ملتی۔ ہزاروں لاکھوں آدمی مجھ سے بہتر بہتر مارے مارے پھرتے ہیں۔کوئی نہیں پوچھتا۔

اصغری: ہاں سچ ہے لیکن جب آدمی کسی بات کا ارادہ کرے تو خدا پر توکل کر کے نا امیدی کا تصور ذہن میں نہ آنے دے۔ مانا کہ ہزاروں نوکری کی جستجو میں لا حاصل پھرتے ہیں لیکن جو نوکر ہیں وہ بھی تو تم ہی جیسے آدمی ہیں۔ اور سو بات کی ایک بات تو یہ ہے کہ نوکری تقدیر سے ملتی ہے۔ بڑے بڑے لائق دکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اور خدا کو دینا منظور ہوتا ہے تو نہ وسیلہ ہے نہ لیاقت۔ چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ گھر سے بلا کر نوکر رکھ لیتے ہیں۔

محمد کامل: تو غرض یہ ہے کہ گھر بیٹھا رہوں۔

اصغری: یہ ہرگز میرا مطلب نہیں۔ جہاں تک اپنے سے ہو سکے ضرور کوشش کرنی چاہیے۔

محمد کامل: یہی تو مشکل ہے کہ کیا کوشش کروں؟

اصغری: جو لوگ نوکری پیشہ ہیں ان سے ملاقات پیدا کرو۔ ان سے محبت بڑھاؤ۔ ان کے ذریعے سے تم کو نوکری کی خبر لگتی رہے گی اور ان ہی کے ذریعے سے تم کسی حاکم تک بھی پہنچ جاؤ گے۔

محمد کامل نے یہی کیا کہ نوکری پیشہ لوگوں سے ملاقات کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ سررشتہ دار، تحصیل دار ایسے لوگوں میں بھی آنے جانے لگا۔ روز کے آنے جانے سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی نوکری کی جستجو ہے۔ یہاں تک کہ بندہ علی بیگ نے جو کچہری میں اظہار نویس تھے، محمد کامل سے کہا کہ میاں نوکری کی تلاش ہے تو میرے ساتھ کچہری چلا کرو۔ چندے امیدواری کرو۔ سررشتے کے کام سے واقفیت بہم پہنچاؤ۔ حاکموں کو صورت دکھاؤ۔ اسی طرح کبھی ڈھب لگ جائے گا۔ محمد کامل کچہری جانے اور بندہ علی بیگ کے ساتھ کام کرنے لگا۔ یہاں تک کہ حاکم سے دستخط کرا لاتا۔ حاکم لوگ اس کو جاننے پہچاننے لگے۔ کسی عملے کو رخصت کی ضرورت ہوئی وہ آدھی تہائی تنخواہ پر اس کو عوضی دے گئے۔ یہاں تک کہ اتفاق سے ایک دس روپے مہینے کا روز نامچہ نویس تین مہینے کی رخصت پر گیا تھا۔ تین مہینے بعد اس نے استعفا بھیج دیا اور مولوی محمد کامل صاحب اس کی جگہ مستقل ہو گئے۔ کبھی کبھی اصغری سے نوکری کا تذکرہ ہوتا تو محمد کامل حقارت کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ کیا واہیات نوکری ہے۔ دن بھر پیسنا اور دس روپلی۔ نہ اوپر سے کچھ پیدا ہے نہ آئندہ کو ترقی کی امید۔ میں تو اس کو چھوڑ دوں گا۔ اصغری ہمیشہ ایسے خیالات پر ملامت کرتی کہ سخت درجے کی ناشکری تم کرتے ہو۔ وہ دن بھول گئے کہ امیدواری بھی

نصیب نہ تھی یا اب بر سرِ کار ہو تو قدر نہیں کرتے۔ گھر کے گھر میں دس روپے کیا کم ہیں۔ اپنے بڑے بھائی کو دیکھو کہ کئی برس تک سوداگر کے یہاں دس روپے کی نوکری کرتے رہے۔ اور جب تم نوکری سے ایسے دلبر داشتہ ہو تم سے کام بھی خاک ہوتا ہوگا۔ آخر کو نوکری چھوٹ جائے گی۔ اور اسی طرح تھوڑے سے بہت بھی ہوتا ہے۔ ہمارے ابا پہلے آٹھ روپے مہینے کے نقل نویس تھے۔ اب خدا کے فضل سے تھصیدار ہیں۔ اور خدا نے چاہا تو اور بھی بڑھیں گے۔ اوپر کی آمدنی پر کبھی بھول کر بھی نظر مت کرنا۔ حرام کے مال میں ہرگز برکت نہیں ہوتی۔ تقدیر سے بڑھ کر مل نہیں سکتا۔ پھر آدمی کیوں نیت کو ڈانواں ڈول کرے۔ اگر اس سے زیادہ ملنے والا ہے تو خدا حلال سے بھی دے سکتا ہے۔

باب اٹھائیسواں

اصغری کے سمجھانے سے محمد کامل
پردیس کو نکلا اور ترقی پائی

غرض اصغری ہمیشہ محمد کامل کو سمجھاتی رہتی تھی ۔ یہاں تک کہ جس حاکم کے پاس محمد کامل نوکر تھا اس کی بدلی سیالکوٹ ہوئی ۔ یہ حاکم محمد کامل پر بہت مہربانی کرتا تھا۔ دن کو کچہری میں یہ حال معلوم ہوا۔ شام کو محمد کامل گھر آیا تو بہت افسردہ خاطر تھا۔ اصغری نے پوچھا ''خیریت ؟ آج کیوں اداس ہو؟''

محمد کامل: کیا بتاؤں۔ جیمس صاحب کی بدلی سیالکوٹ کو ہوگئی ہے ۔ وہی تو ایک مہربان حال تھے۔ اب کچہری میں رہنے کا مطلق مزہ نہیں ۔

اصغری نے بہت دیر سکوت کیا۔ پھر کہا ''بے شک جیمس صاحب کا بدل جانا افسوس کی بات ہے ۔ لیکن نہ اس قدر کہ جتنا تم کو ہے ۔ دوسرا جوان کی جگہ آئے گا' خدا اس کے دل میں رحم ڈال دے گا۔ آدمی کو آدمی پر بھروسہ نہیں رکھنا چاہیے۔'' پھر اصغری نے پوچھا۔ ''جیمس صاحب کب جائیں گے؟''

محمد کامل: کل شام ڈال میں سوار ہو جائیں گے ۔

اصغری: تم ان کے بنگلے پر نہیں گئے؟

محمد کامل: اب کیا جانا۔

اصغری: واہ! یہی تو ملنے کا وقت ہے ۔ کچھ نہ ہوگا تو کوئی چھٹی پروانہ تم کو دے جائیں گے ۔ اور پھر ذرا دل میں سوچو۔ ایسے وقت اپنے مربی اپنے محسن سے آنکھیں چرانا بڑی بے مروتی کی بات ہے ۔

محمد کامل: یہ جو میں نے کہا کہ اب کیا جانا' سوچ کے مارے میرے منہ سے نکل گیا ورنہ ممکن نہیں کہ میں اور جیمس صاحب سے نہ ملوں ۔ اچھا' صبح کو ضرور جاؤں گا۔

بہت سویرے کپڑے پہن محمد کامل جیمس صاحب کے بنگلے پر گیا۔ جیمس صاحب نے کہا ''محمد کامل' سیالکوٹ جاتا ہے اور ہم تم سے بہت راضی تھا۔ تم چاہے تو ہمارے ساتھ سیالکوٹ چلے ۔ ہم تم کو وہاں نوکری دے گا۔ نہیں اپنے پاس سے پندرہ روپے دے گا۔''

محمد کامل نے سوچ کر کہا ''اس کا جواب میں حضور کو پھر حاضر ہو کر دوں گا۔ اپنی والدہ سے پوچھ لوں۔''

غرض محمد کامل گھر لوٹ آیا تو ذکر کیا کہ جیمس صاحب مجھ کو ساتھ لیے جاتے ہیں۔ محمد کامل کی ماں نے سنتے ہی غل مچایا۔

اصغری بھی سناٹے میں ہو گئی۔ آخر محمد کامل نے پوچھا ''صاحبو! بتاؤ میں جا کر کیا جواب دوں؟''

محمد کامل کی ماں بولیں ''جواب کیا دینا ہے۔ اب کیا وہ تیرے لیے بیٹھا رہے گا یا تیرے لیے سپاہی بھیج رہا ہے؟''

محمد کامل: نہیں بی۔ میں اس سے وعدہ کر آیا ہوں۔ اپنے جی میں کہے گا' ہندوستانی کیسے خودغرض مطلبی ہوتے ہیں۔ چلتے وقت ہم سے جھوٹ بولا۔

محمد کامل کی ماں: اچھا تو جا کر کہہ آؤ صاحب میرا جانا نہیں ہو سکتا۔

محمد کامل نے اصغری سے پوچھا ''کیوں صاحب' تمہاری کیا صلاح ہے؟''

اصغری: صلاح اور ہوتی ہے اور دل کی خواہش اور ہوتی ہے۔ دل کی خواہش تو یہ تھی کہ تم یہاں رہو۔ گھر کا انتظام صرف تمہارے دم سے ہے۔ آخر گھر میں کوئی مرد بھی چاہیے۔ اور صلاح پوچھو تو جانا مناسب ہے۔ جب ایک حاکم خود بے کہے تم کو ساتھ لے جاتا ہے تو ضرور اپنی جگہ پہنچ کر بہت سلوک کرے گا۔

محمد کامل: پانچ روپے کے واسطے کیا دو تین سو کوس کا سفر۔ میرا دل تو جانے کو نہیں چاہتا۔ وہ مثل ہے' گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری۔

اصغری: یوں تم کو اختیار ہے لیکن ایسا موقع تقدیر سے ملا ہے۔ پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اور سفر کون نہیں کرتا۔ ہمارے ابا' تمہارے ابا' دیکھو' ان لوگوں نے اپنی عمریں سفر میں تیر کر دیں۔ اور بالفعل پانچ سن لیے گئے' پیچھے دیکھو گے کتنے پانچ۔ اور اگر نہیں جاتے تو پھر دس روپے سے بے دلی مت ظاہر کرنا۔

محمد کامل: تو یہاں کی نوکری کو استعفا دے جاؤں؟ اور فرض کیا کہ وہاں کچھ صورت نہ ہوئی تو ادھر سے بھی گیا اور ادھر سے بھی گیا۔

اصغری: اول تو یہ فرض کرنا کہ وہاں کچھ صورت نہ نکلے گی' خلافِ عقل ہے۔ جیمس صاحب اتنا بڑا حاکم ہے اور تم کو کام دینا چاہے اور صورت نہ نکلے؟ میری سمجھ میں تو نہیں آتا اور پھر استعفا کیوں' مہینے کی رخصت لو۔

محمد کامل: ہاں' رخصت منظور ہوئی پڑی ہے۔

اصغری: منظور ہونے کو کیا ہوا؟ اسی جیمس صاحب سے کہو۔ چھٹی لکھ دے گا۔

غرض اصغری نے زبردستی جوت کر محمد کامل کو جانے پر راضی کیا۔ اپنے پاس سے پچاس روپے نقد دیئے اور چھ جوڑے

نئے کپڑے بنوا دیئے ۔دیانت کے بیٹے رفیق کو ساتھ کر دیا۔مولوی محمد کامل سیالکوٹ چلے گئے ۔ادھر اصغری نے مولوی محمد فاضل صاحب کو یہ تمام حال خط میں لکھا اور یہ بھی لکھ دیا کہ جیمس صاحب سیالکوٹ جاتے ہوئے ضرور لاہور ہو کر جائیں گے ۔اگر ایسا ہو سکے۔ کہ آپ وہاں ان سے ملاقات کر کے ان کی سفارش کچھ رئیس سے کرا دیں تو بہت مفید ہو گا۔مولوی صاحب نے جیمس صاحب کی جستجو کی ۔رئیس کے کچھ دیہات ضلع سیالکوٹ میں بھی تھے۔مولوی صاحب نے رئیس کی طرف سے دعوت کی اور رئیس کے باغ میں ٹھہرایا۔کھانے کے بعد صاحب اور رئیس دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ مولوی صاحب سے کہا ''دہلی کی رعایا کو آپ کی مفارقت کا بہت قلق ہے ۔اگر چہ آپ صرف دو ہی برس دہلی میں حاکم رہے ہیں لیکن آپ کے انصاف' آپ کی شرفا پروری سے وہاں کے لوگ بہت خوش تھے ۔ایک بندہ زادہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔اس کے لکھنے سے سب حال معلوم ہوتا رہتا تھا۔''

صاحب نے پوچھا'' کیا آپ کا کوئی لڑکا بھی میری کچہری میں تھا؟''

مولوی صاحب نے کہا''محمد کامل۔''

صاحب نے کہا''وہ تو ہمارے ساتھ آیا ہے۔وہ آپ کا بیٹا ہے؟''

مولوی صاحب نے کہا''آپ کا غلام ہے۔''

رئیس نے اس تقریب میں صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب ہماری ریاست کے قدیم الخدمت ہیں اور ہم کو ہر طرح سے ان کی پرداخت ملحوظ خاطر رہتی ہے ۔لیکن آپ تو جانتے ہیں' اب گنجائش نہیں۔پس اگر آپ ان کے بیٹے کی پرورش فرمائیں گے تو ہم آپ کے ممنون ہوں گے ۔

جیمس صاحب پہلے سے محمد کامل کے حال پر ملتفت تھا۔ایسے وقت مناسب پر تقریب ہو گئی کہ صاحب کو بہت خیال ہو گیا۔اول تو جوان نوعمر' دوسرے شریف' تیسرے رئیس کا سفارشی' چوتھے خود صاحب کا آوردہ' پانچویں لائق۔اتنے حقوق محمد کامل کو حاصل ہو گئے ۔صاحب نے پہلے دن کچہری کرتے ہی محمد کامل کو پچاس روپے کا نائب سر رشتہ دار کیا اور مولوی محمد فاضل صاحب کو خط لکھا کہ بالفعل ہم نے آپ کے بیٹے کو پچاس روپے کی نوکری دی ہے اور ہم جلد اس کی ترقی کریں گے ۔آپ رئیس کی خدمت میں اطلاع کر دیجئے۔

مولوی صاحب نے بطرز مناسب صاحب کا شکریہ ادا کیا۔اور وہ محمد کامل جو کبھی امیدواری کا محتاج تھا' پھر چھوٹے چھوٹے عہدے داروں کی عوضیاں کرتا' پھر صرف دس روپے کا روزنامچہ نویس تھا' پھر پندرہ روپے کے وعدے پر' وہ بھی اصغری کے جوتنے سے جیمس صاحب کے ساتھ سیالکوٹ آیا تھا' اب ایک دم سے پچاس روپے کا عہدے دار ہو گیا۔محمد

کامل کی ماں اگرچہ جاتے وقت ناخوش تھیں، پچاس کا نام سن کر ان کی باچھیں کھل گئیں۔ اب تو گھر میں چوگنی برکت ہوگئی۔ اصغری کا انتظام اور بیس کی جگہ اب چالیس روپے مہینا گھر میں آنے لگا۔ پھر کیا پوچھنا!

باب انتیسواں

محمد کامل کی آوارگی ۔اصغری نے جا کر اس کی اصلاح کی اور جاتے وقت بہن اور بہنوئی کو گھر میں بسا گئی

محمد کامل آخر میں ایک ہی برس میں سر رشتہ دار ہو گیا۔لیکن سر رشتہ دار ہونے تک سنبھلا ہوا تھا۔خرچ بھی برابر آتا تھا۔ خط بھی متواتر آتے تھے۔لیکن آدمی تھا جوان ۔خود مختار ہو کر صحبت بری مل گئی ۔ بہک چلا۔خطوں میں کمی ہونی شروع ہوئی ۔اصغری بڑی دانش مند تھی ۔سمجھ گئی کہ دال میں کالا ہے۔ بہت دن تک فکر میں رہی کہ اب کیا تدبیر کروں ۔آخر سوائے اس کے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ خود جانا چاہیے ۔ہر چند اصغری نے سیالکوٹ جانے کا عزمِ مصمم کر لیا تھا۔لیکن تماشا خانم کو صلاح کے واسطے بلا بھیجا اور سب حال اس سے کہا۔

تماشا خانم: بوا' کوئی دیوانی ہوئی ہے؟ شہر چھوڑ کر اب کہاں سیالکوٹ جاتی پھرے گی۔

اصغری: مجھ کو شہر سے کیا مطلب؟ تو جس کے ساتھ وابستہ ہوں' وہیں شہر ہے۔

تماشا خانم: اے ہے! کنبے والے کیا کہیں گے؟ ہمارے کنبے میں آج تک کوئی باہر نہیں گیا۔

اصغری: اس میں عیب کی کیا بات ہے؟ آخر میں یہی کہیں گے کہ میاں کے پاس چلی گئی تو برا کیا کیا؟ اور کنبے کی جو پوچھو تو پچھلے دنوں نہ ڈاک تھی نہ ریل' نہ رستے آباد تھے۔عورتوں کا سفر کرنا بہت مشکل تھا۔اس سبب سے لوگ نہیں جاتے تھے۔ اب اگر آج ڈاک میں بیٹھوں اور خدا حاصل خیر رکھے تو پرسوں سیالکوٹ داخل ۔گویا میرٹھ گئی۔

تماشا خانم: کیا طلبی کا خط آیا ہے؟

اصغری: خط تو نہیں آیا۔

تماشا خانم: بن بلائے جانا تو مناسب نہیں۔

اصغری: تم مناسب نامناسب دیکھتی ہو اور میں کہتی ہوں اگر نہ جاؤں گی تو عمر بھر کو گھر غارت ہو جائے گا۔

تماشا خانم: اے آپا! تم ایسی کیوں گری پڑتی ہو؟ تم کو ان کی کیا پروا ہے۔خدا تمہارے مکتب کو سلامت رکھے۔تم دس کو روٹی کھلایا کرو۔

اصغری: واہ! آپ کی بھی کیا سمجھ ہے! یہ مکتب تو میں نے اپنا جی بہلنے کے واسطے بنا لیا ہے۔کچھ مجھ کو اس سے کمائی کرنا

منظور نہیں۔ خدا جانے تم کو یقین آئے یا نہ آئے' آج تک میں نے مکتب کی رقم میں سے ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ صرف پچاس روپے نقد اور بیس روپے کپڑے کے واسطے تمہارے بھائی جان کو سیالکوٹ جاتے ہوئے ضرور دیئے تھے۔ سو وہ بھی قرض داخل اور باقی کوڑی کوڑی کا حساب موجود ہے' دیکھ لو۔ عورتوں کی کمائی بھی کوئی کمائی ہے۔ اگر عورتوں کی کمائی سے گھر چلا کریں تو مرد کیوں ہوں؟ میرا اپنا گھر بنا رہے تو میں ایسے ایسے دس مکتبوں کے اجڑنے کی بھی پرواہ نہیں کرتی۔

تماشا خانم: ایسی بھری برسات میں کہاں جاؤں گی۔ جاڑا آنے دو۔ اس وقت کھلے موسم میں دیکھ لینا۔

اصغری: اے ہے! دیر کرنا تو اور غضب ہے۔ اب جو کام سمجھانے سے نکلے گا پھر بڑے جھگڑوں سے بھی طے نہ ہوگا۔

تماشا خانم: اے ہے آپا! گھر چھوڑتے ہوئے تمہارا جی نہیں کڑھتا؟

اصغری: کیوں نہیں کڑھتا؟ کیا میں آدمی نہیں ہوں؟ لیکن یہ تھوڑی دیر کا کڑھنا بہتر ہے۔ یا عمر بھر کا جلاپا؟

تماشا خانم: تم نے اپنی ساس سے بھی اجازت لی؟

اصغری: بھلا وہ اجازت دیں گی؟ لیکن ہماری ساس بے چاری سیدھی آدمی ہیں۔ میں سمجھاؤں گی تو یقین ہے کہ نہ روکیں گی۔

غرض ایک دن اصغری نے اپنا ارادہ اور اس کی وجوہات اپنی ساس سے بیان کیں۔ بات معقول تھی۔ اس میں کون گفتگو کر سکتا تھا۔ اصغری کا جانا ٹھہر گیا۔ ایک روز جا کر اصغری سب کچا حال اپنی ماں سے بھی کہہ آئی۔ مکتب کے واسطے لڑکیوں کو سمجھا دیا کہ محمودہ تم سب کو پڑھانے کو بہت ہیں۔ میں صرف دو مہینے کو جاتی ہوں۔ سب لڑکیاں بدستور آیا کریں۔ رخصت ہونے کی تقریب سے پہلے اپنی آپا کے پاس گئی۔ محمد عاقل نے پوچھا ''کیوں بھائی تمیز دار بہو' تم جاتی ہو۔ مکتب کو کیا کر چلیں؟''

اصغری: مکتب اور گھر بار سب آپ کے حوالے کیے جاتی ہوں۔

محمد عاقل: واہ! کیا خوب! نہ مجھ کو گھر سے تعلق نہ مکتب سے واسطہ۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟

اصغری: تعلق رکھنا نہ رکھنا سب آپ کے اختیار میں ہے۔

محمد عاقل: تمیز دار بہو' تم کو یہ بات کہنی زیبا نہیں۔ بھلا میرا کیا اختیار ہے؟ گھر تمہاری آپا نے چھڑوایا۔ رہا مکتب' سو لڑکیوں کا ہے۔ لڑکوں کا مکتب ہوتا تو میں خوشی سے سب کو پڑھا دیا کرتا۔

اصغری: اب آپا اور آپ دونوں گھر چل کر رہیے۔ اماں جان اکیلی ہیں۔

محمد عاقل: اپنی بہن کو سمجھاؤ۔

اصغری: سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپا تو خود جانتی اور سمجھتی ہیں۔ یہاں اکیلے آپ کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ نہ بچوں کو کوئی سنبھالنے والا ہے نہ گھر کا کوئی دیکھنے والا۔ دکھ سکھ آدمی کے ساتھ ہیں۔ بے ضرورت جدا رہنا مناسب نہیں۔ اور پچھلی باتیں گئی گزری ہوئیں۔ آپس کی نااتفاقی اور آپس کی رنجش کیسی۔

اکبری جدا گھر کرنے کا مزہ خوب چکھ چکی تھی اور بہانہ ڈھونڈتی تھی کہ پھر ساتھ رہنے کو کوئی کہے۔ فوراً راضی ہو گئی اور اصغری دونوں کو اپنے ساتھ لوا لائی۔ محمد کامل کی ماں کو اصغری کے جانے کا قلق تھا۔ اب ان کو بھی تسلی ہو گئی تھی کہ خیر ایک بہو گئی تو دوسری موجود ہے۔ محمودہ کو البتہ بڑا فکر تھا کہ دیکھئے کیا ہو۔ لیکن اصغری نے ادھر تو محمودہ کو تسلی کی اور سمجھایا کہ اب وہ باتیں نہیں ہیں، اپنی آپا کو سمجھا دیا کہ محمودہ اب بڑی ہو گئی ہے، کوئی سخت سست اس کو نہ کہئے گا۔ مکتب کے واسطے محمد عاقل سے اتنا کہہ دیا کہ پڑھانا لکھانا وغیرہ سب محمودہ کر لیا کریں گی۔ آپ صرف بالائی انتظام کی خبر لے لیا کیجئے اور مکتب کی رقم کا حساب کتاب محمودہ کو لکھا دیا کیجئے۔

الغرض اصغری رخصت ہوئیں۔ ڈاک پر سوار ہو سیدھی سیالکوٹ پہنچیں۔ یہاں محمد کامل دفعتاً اصغری کے پہنچنے سے سخت متعجب ہوا اور پوچھا "خیریت ہے؟ کہیں اماں سے لڑ کر تو نہیں آئیں؟"

اصغری: توبہ کرو۔ کیا اماں جان میرے برابر کی ہیں کہ میں ان سے لڑنے جاؤں گی؟ اس چار برس میں کبھی تم نے مجھ کو ان سے یا کسی اور سے لڑتے دیکھا؟

یہاں محمد کامل نے خوب ہاتھ پاؤں نکالے تھے اور بری صحبت میں مبتلا تھا۔ خوشامدی لوگ جمع تھے اور وہ اس کو الو بنائے ہوئے تھے۔ بازارِ رشوت گرم تھا۔ ناچ رنگ کا احتراز باقی نہ رہا تھا۔ امیری ٹھاٹھ تھے۔ تنخواہ سے چار چند کا معمولی خرچ۔ اگر یہی حال چندے اور رہتا تو ضرور جیمس صاحب کو بدگمانی پیدا ہوتی اور آخر میں نوکری جاتی رہتی۔ اچھے وقت اصغری پہنچی۔ فوراً اس نے ہر طرف سے رخنہ بندیاں کیں اور سمجھایا کہ تم کو خدا نے سو روپے کا نوکر کر دیا۔ اس کا یہی شکر یہ ہے کہ تم کو اس پر قناعت نہیں؟ محمد کامل نے کہا "جو خوشی سے دے، اس میں کیا قباحت ہے؟" اصغری نے کہا "سبحان اللہ! روپیہ بھی ایسی چیز ہے کہ کوئی اس کو بے وجہ خوشی سے دیتا ہے؟ ان دنوں لوگ روپے کے اس قدر حاجت مند ہیں کہ عزت تک کی پرواہ نہیں کرتے، مگر روپیہ مٹھی سے نہیں چھوڑتے۔ آدمی اپنے اوپر قیاس کرے کہ ہم کسی کو کیا دیا کرتے ہیں۔ ایک زکوٰۃ کی بھی کچھ اصل ہے۔ سینکڑے پیچھے برسوں دن چالیسواں حصہ ڈھائی روپے۔ وہی دیتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ لوگوں کے پاس ایسا کون سا خزانہ قارون بھرا پڑا ہے کہ وہ تم کو بے مطلب دے جاتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ کام بگڑتا ہے، نہ دیں گے تو مقدمہ خراب ہو گا، عاجز آ کر قرض دام دے کر، گھر والیوں کے زیور بیچ کر رشوت دیتے ہیں۔"

محمد کامل: میں خود نہیں لیتا۔ پھر اس میں کیا ڈر ہے؟

اصغری: اول تو رشوت چھپ نہیں سکتی۔ علاوہ اس کے فرض کیا آدمی پر ظاہر نہ ہوئی' خدا جو پردوں میں دیکھتا ہے' وہ تو جانتا ہے۔ بندوں کا گناہ جمع کرنا اور عاقبت کی جواب دہی سمیٹنا بڑی بے باکی کی بات ہے۔"

غرض سمجھا بجھا کر اصغری نے محمد کامل سے توبہ کرائی۔ چند روز رہ کر اصغری نے پوچھا۔ "یہ چار آدمی جن کو باہر کھانا جاتا ہے کون لوگ ہیں؟"

محمد کامل: نوکری کے امیدوار ہیں۔ بے چارے غریب الوطن ہیں۔ میں نے کہا' خیر' جب تک تمہاری نوکری لگے' تب تک میرے پاس رہو۔

اصغری: پھر اب تک ان کو نوکری نہیں ملی؟

محمد کامل: نوکری تو ملتی ہے لیکن ان کی حیثیت سے کم ہے۔

اصغری: جب ان کی حالت یہ ہے کہ دوسرے کے سر پر پڑے ہوئے روٹیاں کھاتے ہیں تو حیثیت سے کیا بحث باقی رہی۔ تھوڑی بہت جو ملے کر لیں۔

محمد کامل: خدا جانے تم کیا کہتی ہو۔ عزت سے گھٹ کر کیونکر لیں۔

اصغری: کم درجے کی نوکری میں تو بے عزتی ہوتی ہے اور دوسرے کے سر ڈھئی دینے میں بے عزتی نہیں۔ جب ان لوگوں میں اتنی غیرت نہیں تو اور عادتیں بھی ان میں بری ضرور ہوں گی۔ ان سے کہو کہ یا نوکری کریں یا رخصت ہوں۔

محمد کامل: میری مروت مقتضی نہیں ہوتی کہ جواب دوں۔

اصغری: جب ان میں مروت نہیں ہے تو تم کو مروت کا لحاظ کیا ضرور ہے؟ اگر ہم سے بچے تو کنبے میں بہت غریب ہیں۔ ان کا حق مقدم ہے۔ غیروں کو غیروں میں بھی ایسوں کو دینے سے کیا فائدہ؟ اور یہ ضرور نہیں کہ تم سختی سے جواب دو۔ کسی طور پر ان کو سمجھا دو۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہی لوگ محمد کامل کے شیطان تھے۔ اصغری نے حکمت عملی سے ان کو ٹالا۔ نوکروں میں جو بدوضع تھے' چھانٹ کر نکالے گئے اور ڈیڑھ برس رہ کر اندر باہر سب نظام درست کر دیا۔

اب میاں مسلم کی شادی ہونے والی تھی۔ اصغری کی طلب میں خط گیا اور تماشا خانم نے بہت اصرار کے ساتھ لکھا۔ از بس کی بہت دن ہو چکے تھے' اصغری نے دہلی آنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اپنے دل میں سوچی کہ محمد کامل کو اکیلا چھوڑنا مصلحت نہیں۔ محمد کامل سے کہا کہ مسافرت میں تنہا رہنا مناسب نہیں کوئی رشتہ دار ساتھ رہنا ضرور ہے۔ سو میرے نزدیک تم اپنے

خالہ زاد بھائی صالح کو بلا لو۔ وہ تمہارے ساتھ کچہری کا کام بھی کر سکیں گے اور شاید کہیں ان کو نوکری بھی لگ جائے۔ امیر بیگم کو خط لکھا گیا اور اصغری کے رہتے محمد صالح پہنچ گیا۔

یہ لڑکا پرلے درجے کا نیک بخت تھا۔ اسم بامسمّٰی اور محمد کامل سے عمر میں بڑا۔ اب اصغری کو اطمینان ہوا تو سیالکوٹ سے رخصت ہو لاہور پہنچی۔ یہاں مولوی محمد فاضل کے پاس ایک ہفتہ مقیم رہی۔

باب تیسواں

اصغری کی صلاح سے مولوی محمد فاضل نے
پنشن لی اور بڑے بیٹے محمد عاقل کو اپنی جگہ رکھوا دیا

مولوی محمد فاضل کی عمر ساٹھ برس کے قریب تھی۔ مختاری کی نوکری میں محنت تھی بہت۔ روز بلاناغہ سب حاکموں کی کچہری میں رئیس کے مقدمات کی خبر لینا اور صبح و شام عملوں میں جانا۔ بے چارے مولوی صاحب رات کو تو بہت تھک جاتے تھے۔ اصغری نے کہا ''ابا جان' اب آپ کی عمر اس مشقت کے قابل نہیں۔ مناسب ہے کہ آپ گھر بیٹھنے کا فکر کیجیے۔ ایک کتاب میں' میں نے پڑھا ہے کہ انسان عمر کے تین حصے کرے۔ پہلا حصہ بچپن کا' دوسرا حصہ دنیا کے کاموں کے بندوبست کا' تیسرا آرام اور یادِ الٰہی کا۔ بس اب آپ گھر چل کر آرام سے بیٹھیے۔''

مولوی صاحب: اول تو رئیس نہیں چھوڑتا' دوسرے آخر میں میری جگہ کوئی کام کرنے والا بھی چاہیے۔

اصغری: رئیس سے جب آپ اپنی ضعیفی کا عذر کیجیے گا تو گمان غالب ہے کہ مان جائے اور کام کرنے کو بھائی جان کیا کم ہیں؟

مولوی صاحب: وہ کچہری دربار کا دستور قاعدہ کیا جانیں۔

اصغری: چند روز ان کو بلا کر ساتھ رکھیے۔ دیکھنے بھالنے سے سب معلوم ہو جائے گا۔ وہ تو مولوی آدمی ہیں۔ ہندو لوگ تو اوٹ پٹانگ فارسی کی دو چار کتابیں پڑھ کر کچہری کی نوکری کرنے لگتے ہیں۔

مولوی صاحب کو اصغری کی بات پسند آئی۔ اصغری نے تو دہلی پہنچی اور مولوی صاحب نے محمد عاقل کو بلا بھیجا۔ چند روز عاقل نے باپ کا سب کام اٹھا لیا اور رئیس کو اپنی خدمت سے بہت خوش کیا۔ تب مولوی صاحب نے کہا اب یہ لڑکا آپ کی خدمت میں حاضر ہے مجھ کو آزاد فرمائیے۔

رسم	است	کہ	مالکانِ	تحریر
آزاد	کنند	بندۂ	بے	پیر

رئیس صاحب کا دل بڑا سخی تھا۔ بیس روپے تاحیات مولوی صاحب کی پنشن کر دی۔ مولوی صاحب کی جگہ محمد عاقل کو پوری تنخواہ پر رکھ لیا۔

باب اکتیسواں

محمودہ کی منگنی

اصغری دہلی آئی تو اس نے محمودہ کا فکر کیا۔ حسن آرا جھجر سے میکے آئی تھی اور ان ہی دنوں جمال آرا بھی سسرال سے چھوٹی بہن سے ملنے کے لیے آ پہنچی۔ حکیم جی کا تو تمام گھر اصغری کا مرید تھا۔ دنوں بہنیں اصغری کے آنے کی خبر سن کر دوڑی ہوئی آئیں۔ ہر طرح کی باتیں رہیں۔ جمال آرا نے کہا ''استانی جی' کیسا جی تم میں پڑا تھا کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ بھلا حسن آرا تو تمہاری شاگرد ہیں' لیکن میں شاگردوں میں سے بھی زیادہ ہوں۔ میرا اجڑا ہوا گھر تم نے ہی بسوایا۔''

اصغری: میں کس لائق ہوں۔

جمال آرا: واہ استانی جی! میں تو جیتے جی تمہارا سلوک نہیں بھولوں گی۔ اور کیا کروں' تم ہم لوگوں کی خدمت کسی طرح قبول نہیں کرتیں۔ نہیں تو اپنی کھال کی جوتیاں تم کو بنوا دیتی' تب بھی تمہارا حق ادا نہ ہوتا۔

اصغری: اول تو کچھ خدمت مجھ سے بن نہیں پڑی اور باقتضائے سرداری کوئی کام آپ کو پسند ہوا تو بیگم صاحب' آپ کو خدا نے سب قابل بنایا ہے۔ ہم غریبوں کا خوش کر دینا کیا بڑی بات ہے۔

حسن آرا: اے ہے! استانی جی' تم اپنے منہ سے کیسی بات کہتی ہو؟

اصغری: سنو' بوا حسن آرا۔ استانی گیری اور شاگردی تو اب باقی نہیں۔ وہ مکتب تک تھی۔ اب اللہ رکھے رکھے تم بیاہی گئیں۔ ادھر تم پوتڑوں کی امیر اور امیروں کی سرتاج۔ ادھر یہ سردار اور سرداروں کی بیٹی بہو۔ اب اس شہر میں تم سے بڑھ کر تو دوسرا امیر نہیں۔ تم تک پہنچ کر جو آدمی محروم رہے تو اس کی قسمت کا قصور ہے۔

حسن آرا: اچھی استانی جی کیا بات ہے؟

اصغری: بوا بڑا مشکل کام ہے۔ تم وعدہ کرو کہ مجھ کو نا امید نہ کرو گی تو کہوں۔

حسن آرا اور جمال آرا نے جانا کہ کسی نوکری چاکری کے واسطے کہیں گی۔ دونوں نے کہا ''استانی جی' خدا کی قسم تمہارے واسطے ہم دل و جان سے حاضر ہیں۔ لو ہم کو تو بڑی تمنا ہے کہ تم ہم سے کوئی فرمائش کرو۔''

اصغری: وہ کام میرے نزدیک تو بڑا ہے لیکن آپ دونوں صاحب دل سے آمادہ ہوں تو کچھ حقیقت نہیں۔

دونوں بہنوں نے کہا ''استانی جی' خدا جانتا ہے' ہمارے کرنے کا کام ہو تو ہم کو دریغ نہیں۔''

جب خوب پکا کرا لیا تو اصغری نے کہا ''میری آرزو ہے کہ محمودہ کو اپنی فرزندہ میں قبول کرو۔''

یہ سن کر دونوں بہنوں نے سکوت کیا۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ جب دونوں اٹھنے کو ہوئیں تو اصغری نے ایک ہاتھ سے تو حسن آرا کا دوپٹہ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے جمال آرا کا اور کہا ''میں حق اب لڑ جھگڑ کر لوں گی اور جب تک میرا سوال پورا نہ ہوگا' خدا کی قسم جانے نہ دوں گی۔''

حسن آرا: استانی جی' بھلا اس میں ہمارا کیا اختیار ہے۔ ابھی تو ارجمند خان لڑکا ہے۔ دوسرے ایسی باتوں میں ماں باپ کے ہوتے بہنوں کی کون سنتا ہے۔

اصغری: بڑی اور بیاہی ہوئی بہنیں بھی ماں باپ کے برابر ہوتی ہیں۔ اور رشتے ناتے بغیر سب کی صلاح کے نہیں ہوا کرتے۔ ایسا ممکن نہیں کہ تم سے مشورہ نہ ہو۔

حسن آرا: ابھی ہمارے یہاں تو کچھ تذکرہ کہیں کا نہیں ہے۔

اصغری: تم کو معلوم ہوگا۔ علوی خاں کے یہاں رقعہ گیا تھا۔ واپس آیا۔

جمال آرا: استانی جی' تم نے سنا ہے تو گیا ہوگا۔ مگر ہم سے اس معاملے میں اس وقت تک کچھ بات چیت نہیں ہوئی۔ علوی خاں میں کیا برائی تھی۔ خدا جانے رقعہ پھر واپس کیوں لیا ہوگا۔ اسی بات میں بات اور ہونے لگی۔

اصغری: صاحبو' میرا مطلب رہا جاتا ہے۔ ہاں ناں کا جواب مجھ کو دیجئے۔

جمال آرا: استانی جی' بھلا ہم کیوں کر ہامی بھر سکتے ہیں؟

اصغری: دولت' سیرت' صورت تین چیزیں ہوتی ہیں۔ دولت تو ہم غریبوں کے پاس نام کو نہیں۔ رہی سیرت بوا حسن آرا تم محمودہ سے بخوبی واقف ہو۔ دو برس تمہارا اس کا ساتھ رہا۔ سچ کہنا شرم' لحاظ ادب' قاعدہ' نیک بختی' ہر کام کا سلیقہ اور ہر طرح کا ہنر' لکھنا پڑھنا' سینا' پرونا' پکانا' یہ سب باتیں محمودہ میں ہیں یا نہیں؟ کچھ اس پر موقوف نہیں کہ محمودہ میری نندیا میری شاگرد ہے۔ نہیں۔ وہ لڑکی کچھ خدا نے ہمہ صفت موصوف پیدا کی ہے۔ کیوں بوا حسن آرا' میں کچھ بڑھ چڑھ کر کہتی ہوں تو تم بولو۔

حسن آرا: استانی جی' بھلا چاند پر کوئی خاک ڈال سکتا ہے۔ محمودہ بیگم ماشاءاللہ بڑے گھروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ بھلا کوئی محمودہ بیگم کا پاسنگ تو ہو۔

اصغری: اور صورت! سونا ک' کان' آنکھ جیسے آدمی ہوتے ہیں' محمودہ میں بھی ہیں۔ وہ بھی آدمی کا بچہ ہے۔ جوان ہونے پر کچھ اس سے زیادہ صورت نکل آئے گی۔

جمال آرا: اے استانی جی' محمودہ بیگم کو آدمی کا بچہ کہتی ہو۔ خدا کی قسم حور کا بچہ۔ بڑے گھروں میں اونچی دکان پھیکا پکوان'

ہم نے تو کوئی صورت دار نہ دیکھا۔ ہم ہی دو بہنیں موجود ہیں خدا کی قسم بعض لونڈیاں ہم سے اچھی ہیں۔ اور محمودہ تو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب۔ اس صورت کے آدمی کہاں نظر آتے ہیں۔

اصغری: پھر بوا سوائے غریبی کے اور ہم میں کیا برائی ہے؟ اگرچہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن علی نقی خان مرحوم کو دو چار پشتیں نہیں گزریں۔ آخر ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں۔

دونوں بہنوں نے کہا ''استانی جی' تم ہماری سرتاج ہو اور ہم اور تم کیا دو دو ہیں۔ ایک ذات ایک خون۔''

اصغری: پھر کیا تامل ہے؟ میری درخواست قبول فرمائیے۔

حسن آرا: اچھا استانی جی' آج ہم اس بات کا مذکور اماں سے کریں گے۔

اصغری: مذکور نہیں' مذکور تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ بلکہ دل سے اس کی مدد کرو۔ اور اب یہ بات چھڑی ہے تو ایسا ہو کہ پوری ہو جائے۔

دونوں بہنوں نے وعدہ کیا کہ استانی جی' جیسا آپ کا ارادہ ہے' انشاء اللہ ویسا ہی ہوگا۔ غرض کہ اس وقت دونوں بہنیں رخصت ہوگئیں۔ اگلے دن اصغری خود سلطانہ بیگم سے ملنے گئی۔ دو سو روپے کا بہت عمدہ شالی رومال جو سیالکوٹ سے لائی تھی' سلطانہ بیگم کو نذر کیا۔ سلطانہ بیگم نے کہا ''استانی جی' تم تو ہم کو بہت شرمندہ کرتی ہو۔ ہم کو تمہاری خدمت کرنی چاہیے نہ کہ الٹا تم سے لیں۔''

اصغری: یہ رومال میں نے صرف آپ کے لیے فرمائش کر کے بنوایا تھا اور یہ تو آپ کو قبول کرنا ہی ہوگا۔ ڈیڑھ برس سے اسی امید میں میری گٹھڑی میں بندھا تھا کہ دہلی چل کر خود پیش کروں گی۔

سلطانہ بیگم: میں اس کو بطور تبرک لے لیتی ہوں۔ لیکن مجھ کو خدا کی قسم شرم آتی ہے۔ کبھی آپ نے بھی تو کچھ فرمائش کی ہوتی کہ میرا دل خوش ہوتا۔

اتنا سہارا پا کر اصغری دست بستہ کھڑی ہوگئی اور اپنا مطلب بیان کیا۔

سلطانہ: اچھا استانی جی' آپ بیٹھیے تو سہی۔

اصغری: اب میں اپنی مراد لے کر ہی بیٹھوں گی۔

سلطانہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا اور کہا کہ بیٹا بیٹیوں کے کام مشکل کام ہیں۔ کمہار کے ہاتھ سے دمڑی کا پیالہ لیتے ہیں تو اچھی طرح ٹھونک بجا کر لیتے ہیں اور یہ تو عمر بھر کی کمائیوں کے بیوپار ہیں۔ بڑے سوچ بچار اور صلاح مشورے سے ہونے کے ہیں۔ آپ نے ذکر کیا' اب میں ان کے باپ سے اور اپنی بڑی بہن سے' کنبے کے اور دو چار آدمیوں سے

پوچھوں گچھوں۔ پھر جیسا ہوگا دیکھا جائے گا۔ اور ابھی تو ارجمند خان لڑکا ہے۔ اس کے بیاہ کی کیا جلدی ہے۔

اصغری: حوصلے سے بڑھ کر میں نے سوال کیا ہے۔ جس طرح مصر میں کوئی بڑھیا عورت سوت کی انٹی لے جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خریدار بنی تھی۔ اسی طرح میرے پاس غریبی اور عاجزی کے سوا کچھ دینے کو نہیں۔ صرف آپ کی مہربانی درکار ہے۔

ہر چند سلطانہ بیگم نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن انداز سے معلوم ہوا کہ بات ناگوار نہ ہوئی۔ چلتے ہوئے اصغری جمال آرا اور حسن آرا سے کہتی آئی کہ اب اس کا نباہ آپ لوگوں کے اختیار میں ہے۔ اصغری کے جانے کے بعد دونوں بہنوں نے محمودہ کی حد سے زیادہ تعریف کی۔ سلطانہ تو نیم راضی ہوگئی' لیکن شاہ زمانی بیگم کی بھی ایک بیٹی تھی' دلدار جہاں اور مدت سے شاہ زمانی بیگم اپنی بیٹی کے لیے ارجمند کو تکے بیٹھی تھی۔ ابھی تک اپنی بہن سے کچھ اس کا تذکرہ نہیں کرنے پائی تھی۔ جب اصغری نے محمودہ کی نسبت گفتگو کی تو سلطانہ بیگم نے شاہ زمانی بیگم سے پچھوا بھیجا کہ آپ کے نزدیک یہ بات کیسی ہے۔ شاہ زمانی بیگم یہ حال سن کر بہت سٹ پٹائی اور اس فکر میں ہوئی کہ کسی طرح محمودہ کی بات دب جائے تو دلدار جہاں کی پٹس جمادوں۔ اس وقت تو اتنا ہی کہلا بھیجا کہ میں سوچ کر جواب دوں گی۔ اگلے دن خود بدولت آ موجود ہوئیں۔ اور جب ذکر چلا تو سلطانہ سے کہا کہ کہاں تم اور کہاں مولوی صاحب! زمین آسمان کا جوڑ۔ یہ بات یہاں لایا تو کون لایا؟

سلطانہ نے کہا ''استانی جی!''

شاہ زمانی: دیکھو! میں خود استانی جی کے پاس جاتی ہوں۔

حسن آرا کو ساتھ لے کر جھٹ سے اصغری کے پاس جا دھمکیں اور کہنے لگیں کہ استانی جی' تم تو ایسی عقلمند ہو اور تم نے اتنا نہ سمجھا کہ ایسے رشتے برابر کی ٹکر دیکھ کر کیے جاتے ہیں؟ علوی خاں کے گھر سے صرف اتنی بات پر رقعہ پھرا کہ انہوں نے سونے کا چھپر کھٹ نہیں مانا۔ بھلا تم محمودہ کو کیا دو گی؟

اصغری: بیگم صاحب' میں نے لڑکی کے بیاہ کا ذکر چھیڑا تھا' کچھ لڑکی کے مول تول کا پیغام نہیں دیا۔ شہر میں اگرچہ اب کل رسمیں بگڑ گئی ہیں لیکن وضع دار لوگوں میں لینے دینے کا چکوتا کہیں نہیں سنا۔ جو بیٹی دے گا' وہ کیا اٹھا رکھے گا؟ باقی رہی برابری' سو ظاہر ہے کہ دولت کے اعتبار سے ہم کو کچھ نسبت نہیں۔ یہاں تو علوی خاں کا چوتھائی بھی نہیں۔ لیکن آپ تو لڑکا بیاہتی ہیں۔ آپ امیری غریبی سے کیا بحث؟ لڑکی دینی ہو تو انسان یہ بھی سوچ کر کہ بھائی لڑکی کا گزر دیکھ لو یا کوئی غریب ہو اور بہو کے جہیز پر ادھار کھائے بیٹھا ہو وہ امیر گھر ڈھونڈے تو جائے سر ہے۔ آپ تو بیٹی لیتی ہیں اور سب کچھ خدا کا دیا ہو آپ کے ہاں موجود ہے۔ آپ کو صرف لڑکی دیکھنا ہے سو محمودہ کا کوئی حال آپ سے مخفی نہیں۔ صورت' شکل' ذات جو

کچھ بری بھلی ہے‘وہ آپ کو معلوم ہے۔

شاہ زمانی: کیا ہوا۔پھر بھی جوڑ دیکھ کر بات کی جاتی ہے۔

اصغری: بیگم صاحب‘ خطا معاف۔اب جوڑ کہاں ہے۔جوڑ تو ان دنوں کا تھا جب علی نقی خاں نے اس گھر میں بہن کو بیاہ دیا تھا یا یہ وہی گھر ہے کہ بیٹی لینے کے واسطے بھی جوڑ نہیں۔اب کیا اس گھر میں کیڑے پڑ گئے ہیں؟ دولت نہیں‘ سو یہ بڑا بول خدا کو نہیں بھاتا۔

اصغری نے شاہ زمانی کو ایسے آڑے ہاتھوں لیا کہ بات نہ بن پڑی اور شاہ زمانی نے کہا ”استانی جی‘تم تو خفا ہوتی ہو۔“

اصغری: بیگم صاحب‘ میری کیا مجال ہے۔مجھ کو امید تھی کہ آپ میری مدد کیجئے گا نہ کہ خود آپ ہی کو نا گوار ہے۔

شاہ زمانی: استانی جی‘برا مانو یا بھلا‘ جوڑ نہیں۔

اصغری: دولت میں بے شک جوڑ نہیں ہے۔ذات میں برابری کا دعویٰ ہے۔ہنر میں انشاءاللہ وہ ہماری جوڑ نہ ٹھہریں گی۔ کیا مضائقہ ایک بات میں وہ کم‘ ایک بات میں ہم کم۔جیسی بہو دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈتی پھریں گی تو نہیں پائیں گی۔

شاہ زمانی: استانی جی‘ اقبال مند خاں کے لڑکے کا رقعہ کیوں نہیں منگواتیں؟

اصغری: کچھ خدانخواستہ لڑکی ہم کو دوبھر نہیں۔ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے آپ کی دلدار جہاں بیگم سے تو میں جانتی ہوں دو ڈھائی برس چھوٹی ہوگی۔ جب آدمی ڈھونڈنے پر آتا ہے تو رقعوں کی کیا کمی ہے۔لڑکیوں کو لڑکے بہت اور لڑکوں کو لڑکیاں بہت۔میں نے سوچا تھا کہ ہنر اور دولت ساتھ ہے۔یہ چیز امیروں کے لائق ہے اور امیر اس کو زیبا ہیں۔بات ٹھہر جائے تو دونوں کے لیے اچھا ہے لیکن اگر منظور نہیں ہے تو آپ دلدار جہاں سے نسبت کر دیجیے۔

شاہ زمانی بیگم: میرا ارادہ ہے کہ دلدار کو غیر جگہ دوں۔رشتے میں رشتہ بے لطفی سے خالی نہیں ہوتا۔شاہ زمانی بیگم تو یہ کہہ کر رخصت ہوئیں‘ حسن آرا بیٹھی رہ گئی۔خالہ نے کہا بھی کہ بیٹا چلو۔حسن آرا بولی ”آپ چلیئے‘ میں استانی جی سے کئی برس میں ملی ہوں۔باتیں کروں گی۔“ جب شاہ زمانی چلی گئی تو حسن آرا نے کہا۔”استانی جی‘ اماں راضی ہیں۔یہی حضرت بات کو بگاڑ رہی ہیں۔منہ سے انکار کرتی ہیں تو کرنے دو۔ان کا اصل مطلب یہی ہے کہ دلدار کی بات ٹھہر جائے۔“

اصغری: اب تقدیر کی بات ہے۔بھلا ان کے ہوتے ہماری کیا اصل ہے؟ لیکن بوا حسن آرا‘ میں نے کچھ بے جا بات نہیں سوچی تھی۔پیوند میں پیوند ملتا دیکھ لیا تھا۔تمہارا اتنا بڑا گھر اور اللہ آمین کا ایک لڑکا۔جو کچھ مال و متاع ہے‘ سب اسی کا ہے۔ پس اتنے بڑے کارخانے کے سنبھالنے کو بھی بڑی عقل اور بڑا سلیقہ چاہیے۔محمودہ غریب گھر کی ہے تو کیا‘ اللہ رکھے حوصلہ اور سلیقہ امیروں جیسا ہے۔تمہارے گھر میں اگر کوئی بے سلیقہ آئی اور جہیز کے چھکڑے لائی تو کس کام کی؟ اس کو اپنے جہیز کا

رکھنا اٹھانا مشکل پڑ جائے گا۔ تمہارے گھر کا انتظام کیا کر سکے گی؟ محمودہ تو ماشاءاللہ ملک کا انتظام کرنے والی ہے۔ پھر بوا حسن آرا یہ بات بھی سوچنی چاہیے کہ رشتہ ناتا کس غرض سے ہوتا ہے۔ دنیا سے جہاں تک ہو سکے میل ملاپ کو بڑھانا چاہیے۔ گھر کے گھر میں نسبت ناتا کر لیا تو کیا؟ شادی بیاہ جب کرے' غیر جگہ۔ اور اپنی بات تمہارے روبرو تمہاری خالہ نے بھی کہی اور یہ رائے ان کی بہت درست ہے۔

حسن آرا: استانی جی' میں اور آپا نے خوب خوب طرح پر اماں سے کہا ہے اور اب یہ سب باتیں میں اماں سے کہوں گی۔ امید تو ہے کہ یہی بات درر ہے۔

غرض اصغری نے یہ سب پٹی پڑھا کر حسن آرا کو رخصت کیا۔ وہاں شاہ زمانی نے سلطانہ سے جا کر کہا ''بوا' میں نے تو استانی جی کے منہ پر صاف صاف کہہ دیا کہ تمہارا ان کا جوڑ نہیں۔ آدمی کو سمجھ کر بات منہ سے نکالنی چاہیے۔'' لیکن بیچ یہ آ پڑا تھا کہ شاہ زمانی اپنے منہ سے اپنی لڑکی کے واسطے کہہ نہیں سکتی تھی۔ یہ بات مدتوں سے شاہ زمانی کے دل کو لگی ہوئی تھی لیکن قرابت مندی کے گھمنڈ پر اس نے تگ ودو نہ کی۔ وہ سمجھی کہ جلدی کیا ہے۔ لڑکا گھر میں ہے۔ جب موقع ہو گا' مردوں مردوں میں بات ہو جائے گی۔ اب محمودہ کی بات میں غریبی بڑا اعتراض تھا۔ آخر شاہ زمانی سے الگ ہو کر سلطانہ بیگم نے اپنی دونوں بیٹیوں سے جو صلاح کی تو حسن آرا نے کہا ''اماں' بات صاف تو یہ ہے کہ خالہ اماں دلدار کے واسطے تجویز کرتی ہیں۔

سلطانہ نے کہا ''بھلا ارجمند سے بھی تو ہنسی ہنسی میں پوچھو۔''

جمال آرا نے بھائی کو بلایا اور کہا ''کیوں بھائی' تمہاری شادی بیاہ کی تجویز ہو رہی ہے۔ تم بھی تو کچھ بولو۔ دلدار جہاں سے راضی ہو؟''

ماں کے منہ پر لحاظ کے سبب ارجمند کچھ نہ بولا' لیکن اشارے سے اپنی بہنوں سے انکار کیا۔ اس کا انکار جمال آرا اور حسن آرا کے لیے حجت ہو گیا۔ حسن آرا نے کہا ''صورت شکل' ہنر' سلیقہ' یہ باتیں تو محمودہ کے پاسنگ بھی کسی لڑکی میں نہ ملیں گی۔ اس کا ذمہ تو میں کرتی ہوں۔ ہاں' کچھ چاہو کہ سونے کا چھپر کھٹ ملے' سو یہ ان بے چارے غریبوں کے پاس کہاں؟''

سلطانہ: بوا' اصل تو لڑکی دیکھنا ہے۔ اللہ کے فضل سے ہمارے گھر میں خود کسی چیز کی کمی نہیں۔ ہم کو بھاری جہیز لے کر کیا کرنا ہے؟

جمال آرا: پھر کیا تامل ہے؟ بسم اللہ کیجیے۔

حسن آرا: گو غریبی ہے لیکن استانی جی بڑی تدبیر کی آدمی ہیں۔ منہ سے نہیں کہیں تو کیا ہے' وقت پر حیثیت سے بڑھ کر کریں گی۔

سلطانہ: اچھا تمہارے ابا آلیں تو ان سے بھی صلاح پوچھی جائے۔

چھوٹے حکیم صاحب آئے تو جمال آرا اور حسن آرا نے بھی محمودہ کے مقدمے کو اس طرح پیش کیا جیسے کچہری میں وکیل اپنے موکل کے مقدمے کو پیش کرتے ہیں۔ غرض چھوٹے حکیم صاحب نے بھی محمودہ کی بات کو پسند کیا۔ اب تو دونوں بہنیں بے تحاشا اصغری کے پاس دوڑی گئیں۔ محمد کامل کی ماں کو اصلاً ان باتوں کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے پوچھا بھی کہ کیا بیگم صاحب' اس طرح کیوں دوڑتی ہو؟ پائنچے تو اٹھا کر چلو۔

حسن آرا: کچھ نہیں۔ استانی جی کے پاس جاتے ہیں۔

اصغری کے پاس جاتے ہی حسن آرا نے کہا ''لیجئے استانی جی' مبارک! ہمارا انعام دلوایئے۔''

اصغری نے کہا ''خدا تم سب صاحبوں کو بھی مبارک کرے۔ اور انعام دینے کا ہمارا کیا منہ ہے۔ میرا انعام ہے دعا۔ سو شبانہ روز میں تمہاری دعا گو ہوں اور جب تک جیوں گی دعا گو رہوں گی۔'' اور آب دیدہ ہو کر یہ بھی کہا ''الٰہی! انجام بخیر! الٰہی سازگاری! الٰہی مجھ ناچیز کی سرخروائی! الٰہی محمودہ کو دنیا اور دین کی برکت! الٰہی محمودہ دودھوں نہائے اور پوتوں پھلے! الٰہی محمودہ بوڑھ سہاگن ہو!''

حسن آرا: نہیں استانی جی' ہم تو آج اپنا منہ ضرور میٹھا کرائیں گے۔

اصغری: بیٹھئے بیٹھئے۔ مٹھائی کھایئے۔

دیانت کو بلا' پانچ روپے نکال اس کے ہاتھ دیئے اور کہا گھنٹے والے کی دکان پر سے بہت عمدہ قلاقند اور دریبے کے ٹکڑ سے پیٹھے کی مٹھائی اور شاہ تارا کی گلی سے موتی پاک اور چاندنی چوک سے لوزات اور نیل کے کٹڑے سے گلی کی تلی دال اور خانم کے بازار سے نمش ابھی جا کر لاؤ۔ اتنے میں دونوں کو دو گلوریاں بنا کر دیں اور مٹھائی کی ٹوکری آ موجود ہوئی۔ اصغری' اکبری' حسن آرا' جمال آرا' سب نے مل کر خوب کھائی اور جو بچی مکتب میں بھیج دیں۔ اب چلتے ہوئے اصغری نے کہا ''اس وقت تک میں نے اماں جان کو خبر نہیں تھی' اب ان سے تذکرہ کر کے انشاء اللہ پرسوں اچھی تاریخ اور اچھا دن ہے' معمولی رسم ادا ہو جائے۔'' یہ دونوں رخصت ہوئیں تو اصغری نے ساس سے کہا ''اماں جان' کچھ محمودہ کا بھی فکر ہے؟''

ساس: کیا فکر کروں؟ کہیں سے بات بھی آئے۔ میں ایک جگہ سوچے بیٹھی ہوں محمد صالح کے ساتھ محمودہ کا بیاہ کروں گی۔

اصغری: کجا محمد صالح اور کجا محمودہ۔ بھائی محمد صالح کی عمر بھائی جان سے کچھ کم نہ ہوگی۔

محمد کامل کی ماں: ہاں، عاقل سے چھ مہینے محمد صالح بڑا ہے۔ دونوں ایک ہی برس پیدا ہوئے تھے۔

اصغری: بھلا پھر تھوڑا فرق ہے؟

محمد کامل کی ماں: اور تو کہیں سے سلام پیام نہیں۔

اصغری: میں نے ایک بات سوچی ہے۔ اگر آپ کو پسند ہو تو ذکر چلاؤں؟

محمد کامل کی ماں: وہ کیا ہے؟

اصغری: حکیم فتح اللہ کے لڑکے سے۔

محمد کامل کی ماں: بھلا بیٹی، جھونپڑے کا رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا۔ کجا حکیم کا گھر۔ آج ان کے یہاں ماشاءاللہ وہ دولت ہے کہ شہر میں ان کا ثانی نہیں۔ اور کجا ہم غریب کہ رہنے تک کا جھونپڑا بھی درست نہیں۔ یہاں کی بات کیا ان کی خاطر تلے آئے گی۔ ناحق کہہ کر بھی پشیمان ہونا ہے۔

اصغری: وہ دولت مند ہیں تو اپنے واسطے ہیں۔ ہم کیا خدا نہ کرے کچھ ان کے دست نگر ہیں؟ وہ اپنے پلاؤ زردے میں مست ہیں تو ہم اپنے دلیے میں مگن ہیں۔ ذات میں ہم ان سے ہیٹے نہیں۔ ہنر جو ماشاءاللہ ہماری محمودہ میں ہے، وہ ان کے بڑوں کو بھی نصیب نہ ہوا ہوگا۔

محمد کامل کی ماں: بوا، دولت کے آگے ہنر ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے۔ سونے کا چھپر کھٹ پہلے بنوالوں تب ان سے بات کرنے جاؤں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ تم اس کا خیال مت کرو۔ اے علوی خاں میں کیا برائی تھی؟ رقعہ بھیج کر انہوں نے الٹا منگوا لیا۔ بوا، غریبوں کی کھپت غریبوں ہی میں ہوسکتی ہے۔

اصغری: ہزار دولت کی ایک دولت تو خوبصورتی ہے۔ چشمِ بد دور ہماری محمودہ سے بہتر کنبے میں تو ڈھونڈ لیں۔

محمد کامل کی ماں: بوا، تم کیسی لڑکیوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ حسن بھی ہمسری کی حالت میں پوچھا جاتا ہے۔ اور پھر یہ بات منہ سے کہنے کی ہے کہ ہماری لڑکی خوبصورت ہے؟ اور میں تو نہیں سمجھتی کہ خوبصورتی کیا بلا ہے۔ بڑی بڑی خوبصورتوں کو دیکھا، جوتیوں کے برابر قدر نہیں اور بد شکلیں ہیں کہ لالوں کی لال بنی بیٹھی ہیں۔

اصغری: خوبصورتی بھی ایسی چیز ہے کہ آدمی پر فریفتہ نہ ہو؟ مگر اکثر آدمی جن کی صورت اچھی ہوتی ہے، سیرت کے خراب اور مزاج کے گندے ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی صورت پر ناز ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی دال کہیں نہیں گلنے پاتی اور ان کا مزاج ان کے حسن کی قیمت گھٹا دیتا ہے۔ لیکن اگر صورت کے ساتھ خدا سیرت بھی اچھی دے تو سبحان اللہ! نور علیٰ نور۔ جیسی ہماری محمودہ کی صورت، ویسی سیرت۔ دونوں ماشاءاللہ ایک کا جواب ایک۔

محمد کامل کی ماں: آخر کچھ دینے کو بھی چاہیے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تمہارے مکتب کی کوئی لڑکی خدا جانے کیا پڑھ رہی تھی اور محمودہ اس کو معنی سمجھا رہی تھی کہ یا تو فیل باتوں سے میل جول مت کرو اور کرنا ہے تو ہاتھی کی آمد و رفت کے لائق گھر کا دروازہ بھی اونچا کرنا پڑے گا۔ ہم غریبوں کے پاس ان کی شان کے لائق دینے کو کہاں؟ ناحق بیٹھے بٹھائے اپنی ہنسی کرانی کیا ضرور ہے؟ اور فرض کیا بات ہو بھی گئی اور لڑکی ہاں نظروں میں حقیر رہی تو نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ۔

اصغری: عزت اور ذلت کچھ جہیز پر منحصر نہیں۔ رہی میاں بی بی کی موافقت تو یہ اور ہی چیز ہے۔ جمال آرا کیا کم جہیز لے گئی تھیں؟ لیکن ایک دن بھی سسرال میں رہنا نصیب نہ ہوا۔ دور کیوں جاؤ۔ ہماری آپا کو بھی ہمارے ہی برابر ملا تھا۔ پھر کیوں روزانہ لڑائی رہتی ہے؟ یہ تو اپنا اپنا مزاج اور اپنا اپنا سلیقہ ہے۔

محمد کامل کی ماں: یہ تو میں نے مانا کہ میاں بی بی کا پیار اخلاص جہیز پر موقوف نہیں۔ لیکن کنبے کے لوگ بے کہے کب باز آتے ہیں اور لڑکے نے خیال نہ کیا تو کیا ہے' ساس نندیں ہی موقع پا کر کبھی بات میں بات کہہ گزریں۔ آخر دل کو برا لگتا ہی ہے۔ ایک تو بیٹی والے کا یوں ہی سر نیچا ہے' اس پر دان جہیز واجبی اور غضب ہے۔ نہ بوا' یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔

اصغری: کنبے والوں سے کیا مطلب؟ کنبے والے ہر روز تھوڑے ہی پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ ہاں' ساس نندوں کے رات دن کے طعنے بے شک غضب کا سامنا ہے۔ سو حسن آرا اور جمال آرا طعن و تشنیع کا تو کیا ذکر محمودہ کے پاؤں دھودھو کر پیا کریں گی۔ ایسا بھی کیا اندھیر ہے۔ کیا بیاہ ہوتے کے ساتھ آنکھوں پر ٹھیکریاں رکھ لیں گی؟ حسن آرا کو جیسی محبت محمودہ کے ساتھ ہے' آپ تو دیکھتی ہیں۔ رہیں جمال آرا سو دل کی خدا جانے ظاہر میں تو جب ملتی ہیں' بچھی جاتی ہیں۔ میں بھی تو آخر جیتی بیٹھی ہوں۔ محمودہ کو بری طرح رکھیں گی تو مجھ کو کیا منہ دکھائیں گی۔ اور سو بات کی ایک بات تو یہ کہ ساس نندیں بھی ہوا دیکھا کرتی ہیں۔ لڑکے کو ریجھا ہوا دیکھیں گی تو کسی کی مجال نہیں کہ محمودہ کو آنکھ بھر کر دیکھ لے۔

محمد کامل کی ماں: آخر تمہاری مرضی کیا ہے؟ شربت کے پیالے پر نکاح پڑھا دوں؟

اصغری: یہ تو میرا مطلب نہیں۔ اور نہوت میں شربت بھی نہیں جڑ تا تو کیا بیٹا بیٹی کے کام کاج نہیں کرتے۔ دینا دلانا بھی دنیا کی رسم ہے۔ مگر جتنی چادر دیکھیے اتنے پاؤں پھیلایئے۔ مقدور کے موافق جو بن پڑا دیا' نہ بن پڑا نہ دیا۔ نام نمود کے پیچھے گھر کا دیوالیہ نکال بیٹھنا بھی عقل مندی کی بات نہیں۔ میرے مکتب میں سلمیٰ لڑکی پڑھتی ہے۔ اس کے ابا کو غدر کے پیچھے سرکار سے دس ہزار روپے انعام ملا تھا۔ کسی میم کی جان بچائی تھی۔ دس ہزار روپے ان کو اتنا تھا کہ عمر بھر آبرو سے رہتے۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی بیاہنے اٹھے۔ شیخی میں آ کر دس ہزار سرکار کا دیا ہوا اٹھا بیٹھے اور ہزار پانسو اوپر سے قرض لے

کر لگا دیا۔ اس وقت تو خوب ہر طرف واہ واہ ہوئی' اب گھر میں اس قدر تنگی ہے کہ کھانے تک کو حیران ہیں۔ بیاہ میں مجھ کو بھی بلاوا آیا تھا۔ سامان دیکھ کر میں تو دنگ ہو گئی۔ بلکہ سلمٰی کی اماں نے برا بھی مانا ہو' تو کہہ دیا کہ بوا' بیٹا بیٹی کا دینا آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک۔ گھی کہاں گیا؟ کھچڑی میں۔ مگر اپنی ہنڈیا کی خیر منانی ضرور ہے۔ کہنے کو تو میں اتنا کہہ گزری مگر پیچھے مجھ کو پچھتاوا بھی آیا۔ سلمٰی کی بہن دل میں کہتی ہوگی کہ استانی جی' لینا ایک نہ دینا دو' ناحق بھانجی مارتی ہیں۔

محمد کامل کی ماں نے کہا' ہاں' سچ ہے۔ مگر کم بخت دنیا میں رہنا ہے۔ کیا کریں؟ کہاں جائیں؟ ہو یا نہ ہو' کرنا ہی پڑتا ہے۔ دنیا کی سی نہ کریں تو نکو نان بنے انگشت نما کون ہو۔ میں نے مولوی اسحاق صاحب کے درس میں سنا تھا کہ اگلے وقتوں میں عرب کے لوگ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔

اصغری: اماں جان' دور کیوں جاؤ ہمارے ملک میں راجپوت بھی تو یہی کرتے تھے۔ اب انگریزوں کی روک ٹوک سے بندی ہوئی۔ اس پر بھی کئی دفعہ بھنک پڑی ہے کہ چوری چھپے خون ہوئے۔

محمد کامل کی ماں: عقل کیا کرے' غیرت قبول نہیں کرتی۔

اصغری: غریبی میں غیرت کی کیا بات ہے؟ دنیا میں غریب لوگ زیادہ ہیں۔ غریب ہونا غیرت کی بات ہے تو دنیا میں بے غیرت بہت ہیں۔ امیری غریبی سب اپنی اپنی قسمت ہے۔ سب یکساں کیونکر ہو جائیں۔

محمد کامل کی ماں: اے ہے! بلا سے شادی بیاہ میں بہت خرچ کرنے کی تو سرکار سے منا ہی ہو جاتی تو جھگڑا اٹھتا۔

اصغری: اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز لوگ کچھ بندوبست کرنے والے ہیں۔ ہمارے شہر کے رئیس بھی تو بلائے گئے تھے۔ سنا ہے خرچ کی ایک حد بندھ گئی ہے۔ مہر کا اندازہ مقرر ہوا ہے۔ مگر یہ کام ہم لوگوں کے کرنے کے ہیں۔ سب ایکا کر کے جتنے خرچ فضول ہیں موقوف کریں۔

محمد کامل کی کاں: خرچ کے فضول ہونے کی جو تم نے کہی تو جس کا خدا نے دیا ہے' اس کے نزدیک تو کچھ فضول نہیں۔ ہاں' جس کے پلے کوڑی نہیں' اس کو تو سبھی فضول ہے۔

اصغری: یہ نہ فرمائیے۔ شادی بیاہ میں تو واجبی خرچ کم ہے۔ فضول باتوں میں بہت روپیہ اٹھ جاتا ہے۔ ہمارے خاندان میں تو ناچ' تماشا' باجا' گانا' آتش بازی' نوبت نقارہ کچھ ہوتا ہواتا نہیں' مگر جن کے ہاں ہوتا ہے' اسی میں سینکڑوں ہزاروں پر پانی پھر جاتا ہے۔

محمد کامل کی ماں: ناچ تماشا جن کے ہاں ہوتا ہو وہ جانیں۔ بھلا ہمارے ہاں کون سا فضول خرچ ہے۔

اصغری: کیوں نہیں؟ منگنی' تیج تیوہار' ساچق' مہندی' برات' پہاڑ' چوتھی چالے' بہت بھاری بھاری جوڑے' جڑاؤ گہنا' سبھی

فضول ہے۔

محمد کامل کی ماں: تو سیدھی یہی ایک بات کیوں نہیں کہتیں کہ سرے سے بیاہ ہی فضول ہے؟ اصغری ہنسنے لگی اور کہا کہ بیاہ تو فضول نہیں‘ اس کے لازمے البتہ ناحق کے ڈھکو سلے ہیں۔

محمد کامل کی ماں: بھلا ر سمیں تو ر سمیں تم کپڑے اور زیور کو بھی فضول بتاتی ہو۔

اصغری: نرے کپڑے اور نرا زیور تو کام کی چیز ہے۔ مگر بھاری جوڑے آپ ہی انصاف فرمایئے کس کام آتے ہیں۔ خود میرے جوڑے پڑے گلتے ہیں۔ گھر میں پہننے سے دل کڑھتا ہے۔ کبھی کبھار شادی بیاہ میں پہن گئی۔ عید بقر عید کو ذرا کی ذرا نکلے۔ باقی بارہ مہینے گٹھڑی میں بندھے رکھے ہیں۔ آئے دن دھوپ کا دینا مفت کا دردسر۔ اور جو بیچنے اٹھو تو مال کا مول نہیں ملتا۔ مصالحے کے دام تک کھرے نہیں ہوتے۔ اور یہی حال جڑاؤ زیور کا ہے۔ مولوی کفایت اللہ کی بیٹی کا بیاہ آپ نے سنا ہے؟ بس ایسے بیاہ مجھ کو پسند ہیں۔

محمد کامل کی ماں: کون مولوی کفایت اللہ!

اصغری: لڑکیوں کے مدرسوں کے افسر۔

محمد کامل کی ماں: وہ تو شاید شہر کے رہنے والے نہیں ہیں۔

اصغری: نہیں۔ آگرے کی طرف کے رہنے والے ہیں۔ بیوی بچوں کو اپنے پاس بلا لیا ہے۔ بیٹی کی منگنی اسی شہر میں کی تھی۔ بیوی کی مرضی یہ تھی کہ اپنے شہر میں جا کر بیٹی کا بیاہ کریں۔ یہاں سے برات جائے۔ مولوی صاحب نے بیوی کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا۔ ایک دو دن چار میل ملاپ والوں کو بلا بھیجا۔ مہمان جو گھر پہنچے تو سنا کہ بیٹی کا نکاح ہے۔ تھوڑی دیر بعد سمدھی لڑکے کو ساتھ لے آموجود ہوئے۔ شرعِ محمدی نکاح پڑھا دیا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ وان جہیز جم ہی جم دیا۔ نکاح کے پانسو روپے نقد مولوی صاحب نے بیٹی داماد کے آگے لا کر رکھ دیئے اور کہا کہ بس بھائی‘ میری کمائی میں تمہاری تقدیر کا اسی قدر تھا۔ اگر میں چاہتا تو اس میں مہمان داری بھی کر دیتا اور دنیا کے دستور کے موافق ایک دو بھاری جوڑے بھی بنا لیتا۔ مگر میں نے سوچا تو یہی معلوم ہوا کہ نقد روپیہ تم کو دینا ہے۔ اب تم جس طرح چاہو اس کو کام میں لاؤ۔

محمد کامل کی ماں یہ سن کر بولیں ”ہاں‘ پردیس میں مولوی صاحب جو چاہتے سو کرتے۔ کہنے سننے والا کون تھا۔“

اصغری: کیوں؟ کہنے سننے والی بیوی۔ اور پردیس پر کیا موقوف ہے ہمت چاہیے۔ کرنے والا ہو تو شہر میں بھی کر گزرے کہنے والوں کو بکنے دیا۔ اپنے کام سے کام۔

محمد کامل کی ماں: کیا تم نے محمودہ کا اسی طرح کا اونگھتا ادا س نکاح تجویز کیا ہے؟

اصغری: بے شک میں تو لوگوں کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کرتی۔ میرا بس چلے تو محمودہ کا نکاح کفایت اللہ کی بیٹی کا جواب ہو۔انہوں نے دو چار مہمان بلائے تھے اور میرے نزدیک اس کی بھی ضرورت نہیں۔

محمد کامل کی ماں: نہ بوا' خدا کے لیے ایسا غضب تو مت کرنا۔اس بڑھاپے میں میری تو یہی ایک بچی بیاہنے کو ہے۔اب کیا میں قبر سے کسی کا بیاہ برات کرنے پھر آؤں گی؟

اصغری: نہیں ایسا تو میرا ارادہ نہیں ہے۔مگر البتہ یہ بات ضرور میں نے اپنے دل میں ٹھان رکھی ہے کہ نہ تو ایک پیسہ قرض لیا جائے اور نہ کوئی جائیداد گروی رکھی جائے۔ جو کچھ اس کے نام کا رکھا رکھایا ہے اور جو کچھ اس کی تقدیر سے عین وقت پر ہو جائے' بس کافی ہے۔

محمد کامل کی ماں: سبحان اللہ ایسا ہو تو کیا بات ہے' مگر جب دوسری طرف والے بھی ہامی بھریں۔

اصغری: اور اگر وہ راضی ہو جائیں؟

محمد کامل کی ماں: ان کا راضی ہونا کیا ہنسی ٹھٹھا ہے؟ اللہ آمین کا ایک تو بیٹا۔نہیں معلوم کیا کیا حوصلے ان کے دلوں میں ہیں۔وہ تو برابر کی ٹکر کا گھر دیکھ کر بات کریں گے اور سب ارمان نکالیں گے۔

اصغری: جب سے میں سیالکوٹ سے آئی ہوں' اس بات کی تدبیر کر رہی ہوں۔ادھر سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے۔ابھی جمال آرا اور حسن آرا بھاگی ہوئی آئی تھیں۔چھوٹے حکیم صاحب کو بھی منظور ہے۔شاہ زمانی بیگم نے اپنی بیٹی کے واسطے بہت بہت تدبیریں کیں۔خدا کے فضل سے کوئی کارگر نہ ہوئی۔اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔پرسوں دن بھی اچھا ہے۔ادھر سے مٹھائی آ جائے۔بات پکی ہو جائے پھر بیاہ کو دیکھا جائے گا۔

محمد عاقل کی ماں یہ سن کر حیران رہ گئیں اور کہا ''بات تو بہت اچھی ہے۔ہماری لیاقت سے کہیں زیادہ ہے۔لیکن ان کے لائق سامان ہونا ہم سے مشکل ہے۔''

اصغری: خدا مسبب الاسباب ہے۔جب محمودہ کی تقدیر ایسے اونچے گھر لڑی ہے تو خدا اپنی قدرت سے وقت پر کچھ سامان بھی کر دے گا۔

محمد کامل کی ماں: اپنے سسرے کو آنے دو تو مٹھائی کے واسطے ان سے پوچھ لوں۔

تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب آئے' منگنی کا حال سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور کہا ''بے تامل پرسوں مٹھائی آئے۔'' اصغری نے حسن آرا کو کہلا بھیجا۔روز مقررہ پر پانچ من مٹھائی اور سو روپے آ گئے۔ادھر سے سوا سو من مٹھائی اور سوا سو روپیہ گیا۔ہر طرف سے مبارک سلامت ہو گئی۔

باب بتیسواں

محمودہ کا بیاہ

منگنی کا ہونا تھا کہ چھوٹے حکیم صاحب نے بیاہ کا تقاضا شروع کی اور مولوی صاحب سے کہلا بھیجا کہ مدت سے میرا ارادہ حج کے جانے کا ہے اور صرف اسی وقت کا انتظار ہے۔ زندگی کا اعتبار نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ رجب کے مہینے میں عقد ہو جائے۔ مولوی صاحب نے اصغری سے پوچھا۔ اصغری نے کہا ''بالفعل یہ کہلا بھیجنا چاہیے کہ ہم فکر میں ہیں۔ جہاں تک ہو سکتا ہے تدبیر کرتے ہیں۔ سامان مختصر جو دینا منظور ہے اگر اس عرصے میں جمع ہوا جاتا ہے تو ہم کو بھی یہ فرض آخر ادا کرنا ہے۔ جس قدر جلد ہو بہتر ہے۔'' حکیم صاحب نے پھر کہلا بھیجا کہ میں نے جہیز اور سامان کی امید سے آپ کے ہاں رشتہ نہیں کیا۔ مجھ کو لڑکی چاہیے۔ آپ سامان کا فکر نہ کیجیے۔ ادھر سے جواب گیا ''بہت خوب۔ ہم کو بھی رجب میں عقد کر دینا منظور ہے۔''

ستائیس تاریخ رجب کی مقرر ہوئی اور دونوں طرف سے سامان ہونے لگے۔ سامان کا شروع ہونا تھا کہ مولوی صاحب کو فکر پیدا ہوا۔ کبھی کہتے تھے۔ ہزاری مل سے قرض لوں، کبھی سوچتے گھی کا کٹرا بیچ ڈالوں یا گروی رکھ دوں۔ اصغری نے مولوی صاحب کو یوں پریشان دیکھ کر پوچھا ''آپ نے کیا تدبیر کی ہے؟''

مولوی صاحب نے کہا ''کیا بتاؤں شادی کی تاریخ سر پر چلی آتی ہے اور روپے کی صورت کہیں سے بن نہیں پڑتی۔ ہزاری مل سے میں نے روپیہ مانگا تھا۔ وہ بھی ٹال گیا۔ گھی کے کٹرے کو جدا کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ کوئی خریدار نہیں کھڑا ہوتا۔''

اصغری نے کہا ''ہرگز ہرگز آپ قرض نہ لیجیے اور نہ جائیداد فروخت کیجیے۔ قرض سے بدتر کوئی چیز نہیں اور جائیداد کا جدا ہونا کیا مشکل ہے۔ لیکن اس کا بہم پہنچنا بہت دشوار ہوتا ہے۔''

مولوی صاحب: قرض تو لوں نہیں اور جائیداد کو جدا نہ کروں تو کیا میں کیمیا گر ہوں یا دستِ غیب جانتا ہوں؟ روپیہ کہاں سے آئے؟''

اصغری: پہلے گھر کا حساب دیکھ لیجیے۔ کپڑے تو کچھ پہلے سے تیار ہیں۔ صرف تھوڑا سا مصالحہ درکار ہو گا۔ سو میرے جوڑوں میں بعضے بہت بھاری ہیں۔ ان میں سے کم کر کے اتنا مصالحہ نکل آئے گا کہ محمودہ کے جوڑوں کو کافی ہوا جائے گا۔ برتن موجود ہیں۔ کوئی مول لینا نہیں۔ کاٹ کباڑ سامان بالائی یہ سب میں اپنا دے دوں گی۔ بے فائدہ پڑا پڑا خراب ہوتا

ہے اور میرے کسی مصرف کا نہیں۔ اور آخر آپ کے پاس بھی کچھ روپیہ نقد ہو گا۔''

مولوی صاحب: صرف پانچ سو روپیہ ہے۔

اصغری: بس بہت ہے۔ جب میں سیالکوٹ جانے لگی، مکتب کی رقم چار سو روپے تھی۔ وہ امانت رکھی ہے۔ میرے پیچھے دو سو روپیہ ادا ہوا۔ سو آدھا آپا کا حق ہے اور سو روپیہ وہ امانت رکھی ہے۔ میرے پیچھے دو سو روپیہ اور ہوا۔ سو آدھا آپا کا حق ہے اور سو روپیہ محمودہ کا۔ یہ ملا کر مکتب کی رقم کے پان سو ہو جائیں گے۔ محمودہ کے چھوٹے بھائی کو میں نے خط لکھا ہے۔ اس طور ڈیڑھ ہزار روپیہ نقد اس وقت موجود ہے۔ ہزار کے کڑے جو حسن آرا کے بیاہ میں مجھ کو ملے تھے۔ میرے کس کام کے ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ محمودہ کو چڑھا دوں۔ لیکن پھر غور کیا تو اسی گھر کے کڑے اسی گھر میں جانے مناسب معلوم نہیں ہوتے۔ میں ان کی بیچ ڈالوں گی۔ وہ تماشا خانم کی معرفت بازار میں بھیجے تھے۔ پنا مل تیرہ سو روپیہ دیتا ہے۔ محمودہ کی تقدیر سے اگر کوئی حاجت مند مل گیا تو انشاءاللہ پندرہ سو مل جائیں گے۔ اور ایک تدبیر یہ ذہن میں آتی ہے کہ آپ بھائی جان کو لانے لاہور جایئے اور رئیس پر رخصت کی تقریب میں یہ بات ظاہر کر دیجئے۔ رئیس بڑا سیر چشم ہے امید ہے کہ ضرور کچھ مدد کرے گا۔ ہمیشہ سے ہندوستانی سرکاروں کا دستور رہا ہے کہ ایسی تقریبات میں اپنے معتمد نوکروں کی اعانت کی ہے۔

غرض اصغری نے سسرے کو لاہور بھیجا۔ مولوی صاحب رئیس کے سلام کو جو گئے تو رئیس نے پوچھا ''مولوی صاحب کیوں کر تشریف لائے؟'' مولوی صاحب نے عرض کیا کہ بندہ زادی کا عقد ہے۔ اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ محمد عاقل کو ایک مہینے کی رخصت مرحمت ہو اور یہ تو عرض نہیں کر سکتا کہ حضور کے خاندان سے کوئی شریک ہو لیکن اگر دیوان صاحب جو دہلی میں ہیں، سرکار کی طرف سے زینت دہ محفل ہوں تو ہم چشموں میں میرے لیے افزائشِ آبرو کا باعث ہو گا۔''

رئیس نے محمد عاقل کی رخصت بھی منظور کی اور مولوی صاحب کو آنے جانے کا خرچ بھی دیا اور دیوان صاحب کو حکم بھیج دیا کہ ہماری طرف سے مولوی صاحب کی محفل میں شریک ہونا اور پان سو روپے نیوتے کا دینا۔ اصغری کی صلاح سے بیٹھے بٹھائے یہ پان سو روپے مفت کے آ گئے۔ ادھر جڑاؤ کڑے تماشا خانم کی معرفت نواب حاتم زمانی بیگم تک پہنچے۔ دیکھ کر لوٹ ہو گئی اور آنکھ بند کر کے دو توڑے حوالے کیے۔ اب تو روپے کی ہر طرف سے ریل پیل ہو گئی۔ اصغری کا اہتمام۔ عمدہ سے عمدہ جوڑے تیار ہوئے اور چوہراز یور بنا۔ وہ شادی ہوئی کہ مولوی صاحب کی تو کئی پشتوں میں نہ ہوئی تھی۔ سمدھیانے والے بھی سامان دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ جو سامان متعدد اور بیش قیمت اور جو چیز تھی نئے طور کی۔ دو جوڑے تو بیٹے والوں کی طرف سے آئے۔ ایک ریت کے واسطے کرکری تاش کا۔ دوسرا چوتھی کے واسطے کارچوبی کا۔ اور گہنے جہیز اور چڑھاوے کے ملا کر تو بے انتہا تھے۔ ناک میں نتھ اور کیل، ماتھے کو ٹیکا، جھومر، بنیا، کانوں میں بالی، پتے، جڑاؤ اور سادے چھپکے کے

بالے، کان کے جھالے، مگر مرکیاں، بجلیاں، کرن پھول، جھمکے، گلے میں گلوبند، طوق، چمپا کلی، لنٹھی، توڑا، دھگدگی، چندن ہار، زنجیر مالا، بازو پر جوشن، نورتن، بھوج بند، نونگے، ہاتھوں میں کڑے، نوگریاں، چوہے دتیاں، پچھیے، دست بند، انگلیوں میں انگوٹھی چھلے، جوڑ، پاؤں میں پازیب، چوڑیاں، چٹکی چھلے، کارچوبی، جال دار، مصالحے اور سب ملا کر پچاس جوڑے۔ دو سو برتن اور اسی حیثیت کا بالائی سامان۔ غرض بڑی دھوم دھام سے عقد ہو گیا۔

محمودہ رخصت ہوئیں۔ قمر آستانی بیگم سسرال سے خطاب ملا۔ حکیم فتح اللہ خان بڑے متقی پرہیزگار باخدا آدمی تھے۔ مدتوں سے حج کا ارادہ کر رہے تھے لیکن صرف ارجمند خاں کے بیاہ کے منتظر تھے۔ اب بیاہ ہونے کے بعد چند روز تک بہو کا رنگ ڈھنگ دیکھتے رہے۔ یہاں دیکھنے کی کیا حاجت تھی۔ محمودہ نے تو بی اصغری کی نگرانی میں تربیت پائی تھی۔ کسی طرح کی کوئی کسر اس میں باقی نہ تھی۔ حکیم صاحب نے جس قدر آزمایا، بہو کو ہنرمند، عاقلہ، سلیقہ شعار پایا۔ کچھ تو خربوزہ میٹھا اور کچھ اوپر سے ملا قند۔ اول تو محمودہ اپنی ذات کی اچھی اور اس پر اصغری کی تعلیم کی صلاح۔ بھلا پھر کیا پوچھنا تھا۔ غرض حکیم صاحب کو خوب یقین ہو گیا کہ قمر آستانی بیگم اچھی خاصی طرح گھر کو سنبھال لیں گی۔ اب حکیم صاحب نے یکا یک زور شور کے ساتھ عرب جانے کی تیاریاں شروع کیں۔ یا تو حج کی نیت تھی یا ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ نقد کی قسم سے جو کچھ تھا اپنے ساتھ لیا۔ مکانات، دکانیں، کٹڑے، گنج، دیہات، سرائیں سب کچھ بیٹے کے نام لکھ دیا۔ رشتے ناتے کے لوگوں نے جیسا دستور ہے، سمجھایا بھی لیکن حکیم صاحب کو تو خدا کی دھن تھی۔ ایک نہ سنی۔ خدا کا نام لے چل کھڑے ہوئے اور دنیا بھر کی جائیداد بیٹے بہو کو دے گئے۔

محمودہ اگرچہ بیاہی جا چکی تھی لیکن پھر بھی اصغری کا ادب لحاظ پہلے سے زیادہ کرتی تھی۔ ذرا ذرا بات میں اصغری سے صلاح لیتی۔ اب البتہ اصغری کو اپنی عقل آزمانے کا موقع ملا۔ بڑا کارخانہ، بڑے کام وہ وہ انتظام کی یکہ ارجمند خاں کو خدا جھوٹ نہ بلوائے وقت کا بادشاہ، وزیر بنوا دیا۔ کوئی سرکار اس کے مقابلے کی دہلی کیا دور دور نہ تھی۔ ابھی تک تو اصغری مفلسی میں تھی۔ از دست بستہ چہ خیر و از پائے شکستہ چہ سیر۔ لیکن اب خدا رکھے دولت و ثروت نصیب ہوئی۔ انتظام کا قابو، بندوبست کا موقع من مانا ملا۔ اس حالات میں جو جو کام اس عورت کے کیے اللہ چاہے تو قیامت تک یادگار رہیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے لکھنے کی فرصت نہیں۔ پھر بھی اگر نصیحت ماننے والا اور بات کا سننے اور سمجھنے والا ہو تو جس قدر لکھا جا چکا کم نہیں۔ ہر طرح کی صلاح، ہر قسم کی تعلیم اس میں موجود ہے۔ کہنے کو قصہ اور حکایت ہے لیکن حقیقت میں نصیحت اور ہدایت۔

باب تینتیسواں

اولاد کے تعلق پر ایک عمدہ نصیحت

اب اس کتاب کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات اور لکھنی ضرور ہے۔ وہ یہ کہ اصغری بہت چھوٹی سی عمر میں ماں بن گئی تھی۔ ابھی تک کچھ اس کی اولاد کا تذکرہ نہیں ہوا۔ اصغری کے بچے تو بہت ہوئے لیکن خدا کی قدرت زندہ کم رہے۔ صرف ایک لڑکا محمد اکمل جو اخیر میں محمودہ کی بیٹی مسعودہ سے بیاہا گیا' زندہ رہا۔ یہ لڑکا کئی بچوں کے اوپر پیدا ہوا۔ اس سے پہلے محمد عادل ایک بیٹا اور بتول ایک لڑکی مر چکے تھے۔ بچوں کی پرورش میں احتیاط تو بہتیری ہوتی ہے۔ سردی گرمی کا بچاؤ۔ کھانے تک کا وقت بندھا۔ اندازہ اور خبرداری یہ کہ ثقیل اور ردی چیز کہیں منہ نہ ڈال لیں۔ دانت نکلنے شروع ہوئے اور مسوڑوں میں نشتر دیا گیا کہ ایسا نہ ہو دانتوں کی تکلیف کو بچہ سہا نہ سکے۔ چار برس کے ہوئے اور چیچک کے بچاؤ کی نظر سے ٹیکا لگوا دیا گیا۔ جہاں تک آدمی کی عقل کام کرتی ہے' سب طور کا بندوبست کیا جاتا تھا لیکن تقدیر کے آگے کسی کی حکمت نہیں چلتی۔ محمد عادل چار برس کا ہو کر مرا۔ پیچش ہوئی۔ دست بند کرنے کی دوا دی۔ بخار آنے لگا۔ سرسام ہو گیا پلا پلایا لڑکا ہاتھ سے جاتا رہا۔

ابھی اس کا داغ تازہ تھا کہ بتول سات سات برس ہو کر بیمار پڑی۔ کچھ ایسے بلا کے دست چھوٹے کہ جان لے کر بند ہوئے۔ دنیا جہان کی دوائیں کیں۔ لیکن موت کب مانتی ہے دوا کو۔ ایک ہی ہفتے میں لڑکی تحلیل ہو کر چلی گئی۔ بتول کے مرنے کا اصغری کو بہت بڑا صدمہ ہوا۔ اول تو لڑکی' دوسرے کچھ مرنے والی تھی یا کیا ایسی ماں پر فریفتہ تھی کہ ایک دم الگ نہ ہوتی تھی۔ ماں نماز پڑھتی ہے تو جائے نماز پر بیٹھی ہے۔ ساتھ سونا' ساتھ اٹھنا۔ ماں کی دوا تک کو چکھ لینا ضرور۔ اور اس چھوٹی سی عمر میں بس پڑھنے میں دھیان۔ قرآن کا ترجمہ شروع تھا۔ جب محمد عادل مرا تو عورتوں نے اصغری کے ایمان میں خلل ڈالنا شروع کیا تھا۔ کوئی کہتی کوکھ کا خلل ہے' قہر علی شاہ کا علاج کرو۔ کوئی کہتی دودھ پر نظر ہے' چورا ہے میں اتار رکھواؤ۔ کوئی کہتی مسان کا دکھ ہے' رمضان شاہ سے گڑانت کراؤ۔ کوئی کہتی مکان اچھا نہیں' میر علیم سے کلواؤ۔ کوئی کہتی سفر میں آئی گئی ہو' کوئی چڑیل لپٹ گئی ہے۔ کچھ چھے چلو۔ گنڈے اور تعویذ' عمل ٹونے اور ٹوٹکے تو دنیا جہان کے لوگ بتاتے تھے لیکن واہ ری اصغری! یوں اوپر تلے دو بچے مرے لیکن سدا خدا پر شاکر رہی۔ کسی نے کچھ کہا بھی تو یہی جواب دیا ''خدا کو جب منظور ہو گا تو یوں بھی فضل کر سکتا ہے۔'' بتول کے مرنے کی خبر جب دوراندیش خاں صاحب کو ہوئی تو بہت مضطرب ہوئے اور اس اضطراب میں بیٹی کے نام یہ خط لکھا۔

باب چونتیسواں

خط

برخوردار اصغری خانم کو دعا کے بعد معلوم ہو کہ اس وقت دہلی کے خط سے مجھ کو بتول کے انتقام کا حال معلوم ہوا۔ میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھ کو رنج نہیں ہوا۔ مگر میری عقل اس قدر بے جا نہیں ہوئی کہ نادان آدمیوں کی طرح بے صبری کروں۔ مجھ کو بڑا تردد تمہارا ہے۔ عجب نہیں تم پر یہ صدمہ بہت شاق ہوا ہو۔ لیکن ہر حالت میں انسان کو عقل سے مشورہ لینا چاہیے۔ عقل ہم کو اسی واسطے بخشی گئی ہے کہ رنج ہو یا خوشی' ہم اپنی عقل سے اس میں مدد لیں۔ دنیا کے حال پر غور کرنا نہایت ضرور ہے اور یہ غور فائدے سے خالی نہیں۔ زمین' آسمان' پہاڑ' جنگل' دریا' انسان' حیوان' درخت لاکھوں طرح کی چیزیں دنیا میں ہیں اور دنیا کا ایک بہت بڑا بھاری کارخانہ ہے۔ دن میں ایک معمول کے ساتھ آفتاب کا نکلنا پھر رات کو ہونا اور چاند ستاروں کا چمکنا۔ کبھی گرمی' کبھی سردی' کبھی برسات اور پانی کے اثر سے انواع واقسام کے رنگ برنگ پھلوں کا پیدا ہونا اور ایک وقت خاص تک تازہ وشاداب رہ کر مرجھانا اور ناپید ہو جانا۔ ہر ایک بات غور کرنے والے کو برسوں تک سوچنے کو کافی ہے۔ خود آدمی کو اپنا حال غور کرنے کو کیا کم ہے۔ کیوں کر آدمی پیدا ہوتا اور کیوں کر پرورش پاتا اور بڑا ہوتا اور کیوں کر لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے کی حالتیں اس پر گزرتی ہیں اور کیوں کر آخر اس دنیا سے سفر کر جاتا ہے۔ یہ بڑا عمدہ اور دلچسپ اور مشکل مضمون ہے۔ یہ سب کارخانہ کسی مصلحت سے خدا نے جاری رکھا ہے اور جب تک وہ چاہے گا اسی طرح یہ کارخانہ جاری رہے گا۔

دنیا کی مردم شماری سے ثابت ہوا ہے کہ ایک گھنٹے میں ساڑھے تین ہزار آدمی کے قریب دنیا میں مرتے ہیں۔ یعنی ہر ایک پل میں ایک آدمی' اور اسی قدر پیدا بھی ہوتے ہوں گے۔ اب حساب کر لو کہ ایک مہینے میں کئی لاکھ آدمی دنیا میں مرتے اور پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر غور کرو کہ سات ہزار برس سے یہی لگا چلا آتا ہے۔ یعنی بے شمار آدمی اس دنیا میں مر چکے ہیں۔ پس موت ایک معمولی اور ضروری بات ہے۔ بڑے بڑے زبردست بادشاہ' بڑے بڑے عالم' بڑے بڑے حکیم' یہاں تک کہ بڑے بڑے پیغمبر' جنہوں نے مردوں کو زندہ کیا' خود موت سے نہ بچ سکے۔ دنیا میں جو پیدا ہوا ہے' یہ خدا کا ضروری حکم ہے کہ وہ ایک دن مرے۔ پس اگر یہ حکم کسی دن ہم پر یا ہمارے کسی عزیز یا قریبی پر جاری کیا جائے تو ہم کو شکایت اور فریاد کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ مضمون سرسری نہیں ہے۔ اس کو خوب غور کرو اور جب تم کو موت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو سمجھو گی کہ کسی کے مرنے پر رنج کرنا تعلق پر موقوف ہے۔ اگر ہم سنیں کہ مثلاً ملک چین کا بادشاہ مر گیا تو ہم پر اس خبر کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ ہم کو اس سے کچھ تعلق نہ تھا۔ بلکہ محلے میں اگر کوئی غیر آدمی مر جائے' جس سے کسی قسم

کا واسطہ نہیں تو ہم کو بہت کم رنج ہو گا۔ بلکہ شاید نہ بھی ہو۔ غرض ہم کو رنج اسی شخص کے مرنے کا ہوتا ہے جس سے ہم کو تعلق ہے۔ اور جتنا تعلق قوی اسی قدر رنج زیادہ۔ نانی کی' بھتیجی کی' خالہ کی' بہو کی' پھوپی کی' بھانجی اگر مرے تو کیا؟ دور کا واسطہ' دور کا رشتہ بلکہ رشتے ناتے پر کیا موقوف ہے' محبت ملاپ میں بھی رنج ہوتا ہے۔ اب سوچنا چاہیے کہ ہم کو کس سے زیادہ تعلق ہے' اس کے واسطے کوئی قاعدہ مقرر نہیں۔ قریب کا رشتہ ہو اور سدا کی لڑائیاں' ہمیشہ کے بگاڑ' تو ایسے رشتے دار غیر داخل۔ لیکن غیر سے رشتہ نہیں' قرابت نہیں لیکن محبت ملاپ بہت کچھ تو وہ رشتے داروں سے بڑھ کر ہے۔ پس ہر ایک شخص موافق اپنے حالات کے خاص تعلق رکھتا ہے۔ یہ دنیاوی تعلقات سب فائدے اور غرض سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اپنا سگا ہمارے فائدے میں خلل انداز ہو' ضرور ہے کہ ہم سے چھوٹ جائے۔ اسی طرح اگر غیر آدمی ہمارے کام آئے' ضرور ہے کہ ہم کو مثل اپنوں کے عزیز ہو۔ لیکن فائدہ جس سے تعلق پیدا ہوتا ہے' ضرور نہیں کہ صرف روپے پیسے کا ہو' گر چہ اکثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ کبھی امیدوار اور توقع سے بھی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ بہت لوگ ہمارے دوست ہیں جو ہم کو کچھ نہیں دیتے۔ لیکن یہ توقع کہ اگر کبھی ہم کو کسی طرح کی ضرورت ہو تو یہ کام آنے والے ہیں' تعلق کے پیدا ہونے کی وجہ ہوتی ہے۔ میں اس بحث کو بہت طول دے سکتا ہوں اور جس قدر اس بحث کو طول دیا جائے' مناسب ہے۔ لیکن اصل مطلب میرا اس خط میں صرف اولاد کے تعلق سے بحث کرنا ہے۔ اور اگر فرصت ملے گی تو انشاءاللہ اس تعلق پر ایک کتاب لکھ کر تم کو بھیج دوں گا۔

یہ تعلق جو اولاد سے ہے' عام ہے۔ کوئی ماں باپ بلکہ کوئی جانور تک اس سے خالی نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف فائدے اور غرض پر اس کی بنا نہیں بلکہ خداوند عالم جو بڑا دانش مند ہے' اس کا انتظام چاہتا ہے کہ ضرور ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہو۔ اولاد چند سال تک محتاجِ پرورش ہوتی ہے تا کہ اس کی پرورش اچھی طرح ہو۔ ماں باپ کو اولاد کی محبت لگا دی کہ اس محبت کے تقاضے سے بچوں کو پالیں اور بڑا کریں۔ یہاں تک کہ بڑے ہو کر خود دنیا میں رہنے سہنے لگیں' یعنی ماں باپ پرورشِ اولاد کے واسطے ان کے خدمت گزار رہیں۔ پس اولاد کا پال دینا صرف اتنا تعلق تو خدا کی طرف سے ماں باپ کو دیا گیا' باقی یہ بکھیڑے کہ اب اولاد کی تمنا ہے' نہیں تو دوا اور علاج ہے' تعویذ گنڈا ہے' عمل ہے اور دعا ہے۔ یا اولاد ہوئی تو یہ فکر ہے کہ بیٹے ہوں بیٹیاں نہ ہوں یا جو ہوں زندہ رہیں۔ یہ خود انسان کی اپنی ہوس کے طمع ہیں۔ رہی یہ بات کہ اولاد کی تمنا جو خدا کی مرضی سے زیادہ اپنے دل میں پیدا کی کس وجہ سے ہوتی ہے؟ بے شک فائدے اور غرض کے واسطے ہوتی ہے۔ لیکن فائدے کئی قسم کے ہیں۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اولاد سے نام چلتا ہے۔ بعض کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمارا مال و دولت ہمارے بعد لیں گے۔ اب ان خیالات پر غور کرو۔ کس قدر بے ہودہ اور غلط ہیں۔ نام چلنا کیا معنی کہ لوگ یہ جانیں

کہ فلانے کے بیٹے فلانے کے پوتے ہیں۔اول تو جب ہم خود دنیا میں نہ رہے تو اگر کسی نے ہم کو جانا تو کیا' نہ جانا تو کیا۔ علاوہ اس کے غور کرو کہ کہاں تک نام چلتا ہے۔ کسی آدمی سے اس کے باپ دادوں کے نام پوچھو۔شاید دادا تک تو سب کوئی بتا سکے گا۔ اس سے اوپر خود کو نہیں معلوم کہ ہمارے پڑ دادا اور سگڑ دادا کون بزرگ تھے۔ دوسرے لوگوں کو ان کے مردوں کی ہڈیاں اکھاڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ پس بالفرض نام چلا بھی تو ایک یا دو پشت۔ آگے خیر صلاح۔ اور ایک یا دو پشت نام چلنا بھی صرف خیالی بات ہے۔ دس برس سے میں پہاڑ پر ہوں۔ ہزاروں آدمی مجھ کو جانتے ہیں اور میں ہزاروں کو جانتا ہوں۔لیکن نہ وہ میرے باپ کو جانیں اور نہ میں ان کے باپوں سے واقف۔ نہ کچھ باپ کا نام بتانے یا پوچھنے کی کبھی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

دوسری وجہ تمنائے اولاد کی یہ فائدہ ہے کہ بڑھاپے میں مددگار ہوں۔سو یہ بھی خیال واہیات ہے۔ یہ کیوں کر یقین ہے کہ ان کے بڑے ہونے تک یہ زندہ رہیں گے؟ اور بالفرض زندگی کا اتفاق ہوا بھی تو اولاد کا مددگار ہونا محض خیالی بات ہے۔ ان وقتوں میں ہم ایسی اولاد بہت کم پاتے ہیں جن کو ماں باپ کا ادب ملحوظ جن کو والدین کی خدمت گزاری کا خیال ہوتا ہے۔ادب اور خدمت گزاری تو درکنار اب تو اکثر اولاد سے ماں باپ کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے۔جس اولاد کی لوگ تمنا کرتے ہیں' شروع سے آخر تک ان کے ہاتھوں سے رنج پاتے ہیں۔ جب تک چھوٹے ہیں' پالنا ایک مصیبت۔ آج آنکھیں دکھتی ہیں' کبھی پسلی کا دکھ' کبھی دانت نکلتے ہیں۔کبھی چیچک نکلی ہے۔خدا خدا کر کے بڑے ہوئے تو ان کے کھانے' کپڑے کا فکر۔ آدمی نہیں معلوم کن حالات میں ہے' نوکر یا نہیں۔ پیسہ پاس ہے یا نہیں۔ ان کو جہاں سے ہو سکے' دینا ضرور۔ ماں باپ کو فاقہ ہو تو ان کو کچھ نہ ہو تو بھی سودے سلف کے لیے کہیں نہ کہیں سے روز کے روز پیسہ دھیلا دینا ہی پڑتا ہے۔عید ہو' بقر عید ہو' تیوہار ہو' لاؤ بھائی نیا جوڑا۔سودا کھانے کو چار ٹکے پیسے۔ یہاں تک بھی غنیمت ہے۔اب ماں باپ چاہتے ہیں کہ لڑکا کام سیکھے' پڑھے اور لڑکا ایسا پاجی ہے کہ پڑھنے کے نام سے کوسوں بھاگتا ہے۔ جب تک مکتب کے چار لڑکے ٹانگ کر نہ لے جائیں' قسم ہے۔اور اگر کسی طرح گیا بھی تو طفل بہ مکتب نمی رود و لے برندش۔ ذرا استاد کی آنکھ بچی کہیں چورا ہے پر جا نکلے' کہیں نہر پر کھڑے گیڑیاں کھیلتے ہیں۔ کہیں بازاروں میں خاک چھانتے پھرتے ہیں۔اور ذرا بڑے ہوئے تو ماں باپ کو جواب دینے لگے۔ بروں کی صحبت' بدمعاشوں کا ساتھ نہ ناچ کا پرہیز نہ بری صحبت سے گریز۔ باپ دادوں کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔اسی طرح بعض شاطر' بدمعاش' چور' جواری' شراب خوار ہو جاتے ہیں۔

اب اولاد بیاہنے کے قابل ہوئی۔تمام شہر چھان مارا کہیں ڈھب کی بات نہیں ملتی مشاطہ پاؤں توڑ توڑ کر دھمکی۔میل ملاپ والے ہار کر بیٹھ رہے۔ کنبے کے لوگ ایک ایک سے کہہ چکے۔کوئی ہامی نہیں بھرتا۔ایک خرابی میں جان ہے۔ ماں

بے چاری کہیں منتیں مانتی پھرتی ہی' کہیں کھڑی فال گوش لے رہی ہے۔ کہیں گڑیا کا بیاہ ہو رہا ہے۔ پانچوں وقت دعا ہے۔ الٰہی غیب سے کسی کو بھیج۔ خدا خدا کر کے نسبت ناتا ٹھہرا تو ایسی جگہ کہ ماں بے چاری کے پاس چاندی کا تار تک نہیں' سمدھیانے والے جھکے بالے مانگتے ہیں۔ کسی طرح اپنے تئیں بیچ' بیاہ کیا۔ چڑیا کی جان گئی' کھانے والے کو مزانہ آیا۔ جہیز ہے کہ پھنکا پھنکا پھرتا ہے۔ سمدھن کہتی ہے "اوئی! کیا دیا۔ ایسی نہ ہوت میں بیٹی جننی کیا ضرور تھی۔" کوئی خاطر تلے نہیں آتی۔ بات بات میں طعنہ ہے' داماد صاحب تشریف لائے تو ان کے دماغ نہیں ملتے۔ جب تک سسرے سے جوتیاں سیدھی نہ کرالیں' ہاتھ تک نہیں دھوتے۔ کھانے کی کون کہے۔ چوتھی نہیں ہوئی کہ میاں بیوی میں جوتی پیزار ہونے لگی۔ بیٹی کی بیٹی دی' لڑائی کی لڑائی مول لی۔ پھر یہ نہیں کہ کچھ ایک دن کی ہے۔ نہیں بس عمر بھر کو مصیبت کا چرغہ چلا۔ بیٹی کے اولاد ہونی شروع ہوئی۔ ماں بے داموں کی لونڈی' بے تنخواہ کی دایہ۔ عمر بھر اپنے بچے پالنے کی مصیبت جھیلتی رہی۔ اب خدا خدا کر کے دو برس سے آرام نصیب ہوا تھا کہ بیٹی کے چینگی پوٹے سنبھالنے پڑے اور اگر بہو آئی تو فساد کی گانٹھ۔ لڑائی کی پوٹ۔ ساس کی تو جوتی کے برابر نہیں سمجھتی۔ نندوں کا دم ناک میں کر رکھا ہے۔ نہ جیٹھ کا حجاب' نہ سسرے کا ادب۔ عورت ہے کہ مردوں کی پگڑی اتارے لیتی ہے۔ خدا پناہ میں رکھے! بیٹے نالائق کو دیکھئے کہ بی بی نے تو آفت برپا کر رکھی ہے اور مردود بی بی کی حمایت کرتا ہے اور الٹا ماں باپ سے لڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بے چاری ماں اپ کو گھر چھوڑ کر الگ کرائے کے مکان میں جا رہے۔ یہ نتیجہ اس وقت کی اولاد سے ماں باپ کو ملتا ہے۔ بہت کم ہیں وہ لوگ جو اولاد سے راحت پاتے ہیں۔ پس ہم لوگ اپنی بے وقوفی سے اولاد کی تمنا کرتے ہیں۔ گویا آفت اور مصیبت کو آرزو کر کے بلاتے ہیں۔

اب رہا یہ خیال کہ مال و دولت کا کوئی وارث ہو' اس وجہ سے اولاد کی تمنا کی جائے۔ یہ خیال جیسا مہمل اور پوچ اور لچر اور خرافات ہے' ظاہر ہے۔ جب آدمی خود دنیا سے اٹھ گیا تو اس کی دولت اگر اس کے بیٹے نے لی تو کیا اور اگر مال لاوارث قرار پا کر سرکار میں گیا تو کیا۔ یہ دولت عاقبت میں کچھ بکار آمد نہیں' مگر اسی قدر جو خدا تعالیٰ کی راہ میں ہم خود صرف کر جائیں یا ہمارے بعد ہمارے نام سے خدا کی راہ میں صرف ہو۔ جب ہم نے دولت کو خود صرف نہ کیا اور ایسا ضروری کام اولاد کے ذمے چھوڑ گئے تو ہم سے زیادہ کوئی احمق نہیں۔ جو اولاد ماں باپ کا اندوختہ مفت میں پا جاتی ہے' ہرگز اس کو اس کے خرچ کرنے میں دریغ نہیں ہوتا۔ آدمی اسی روپے کی قدر کرتا ہے جس کو وہ خود اپنے قوتِ بازو اور عرق ریزی سے پیدا کرتا ہے اور بے محنت جو روپیہ ملتا ہے اس کا حال یہی ہوتا ہے کہ مال مفت دل بے رحم۔ البتہ اولاد ناچ رنگ' سیر تماشے میں خوب دولت کو اڑائے گی۔ لیکن چاہیے کہ باپ کے نام کا جرے کے دلیے پر فاتحہ تک بھی دلائے کا کیا مذکور۔ کیا ایسی مثالیں دنیا میں سینکڑوں ہزاروں نہیں ہیں کہ لوگ بخل اور خست سے عمر بھر جمع کرتے رہے اور اولاد نے دولت پاتے ہی وہ

گل چھرے اڑائے کہ چند روز میں باپ کا اندوختہ عمری فنا کر دیا؟

اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جس قدر تعلق اولاد کے ساتھ ہم نے اپنے دل سے بڑھالیا ہے وہ ہمارے حق میں نہایت ضرر کرتا ہے۔ ہم کو اولاد کے ساتھ اسی قدر تعلق رکھنے کا حکم ہے کہ جب تک وہ ہماری مدد کے محتاج رہیں' ان کی پرورش کریں۔ اور اس پرورش کرنے میں بھی اس امید کو دل میں جگہ نہ دیں کہ اولاد بڑی ہو کر پرورش کے عوض کبھی ہماری خدمت کرے گی۔ یہ امید پیدا کرنی سخت درجے کی نادانی ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ خدا نے جو ہمارا ملک ہے' اس کی پرورش کی خدمت ہم سے متعلق کر دی ہے۔ ہم اولاد کے پالنے میں اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ باغ خدا کا ہے اور ہم اس کی طرف سے اس باغ کے مالی ہیں۔ اگر باغ کا مالک کسی درخت کو قلم کرنے یا کاٹ ڈالنے کا حکم دے تو مالی کو یہ کہنے کا کب منصب ہے کہ میں اس درخت کو بڑی محنت سے پالا ہے۔ یہ کیوں کاٹا اور قلم کیا جاتا ہے؟ دنیا کے تمام تعلقات صرف اس واسطے ہیں کہ آدمی ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ ہم چند روز کے واسطے کسی مصلحت سے اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور یہاں ہم کو کسی باپ' کسی بیٹا' کسی کا بھائی بنا دیا گیا ہے۔ اس واسطے کہ لوگ ہماری اور ہم لوگوں کی مدد کریں اور صلح کاری اور سازگاری میں اپنی زندگی جو مقرر کر دی گئی ہے پوری کر جائیں۔ دنیا ہمارا گھر نہیں ہے۔ ہم کو کسی دوسری جگہ جا کر رہنا ہو گا۔ نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے۔ ہم اگر کسی کے باپ ہیں تو صرف چند روز کے واسطے اور اگر کسی کے بیٹے ہیں تو بھی چند روز کے واسطے۔ اگر ہم کسی کو مرتا دیکھیں تو افسوس کی کیا بات ہے؟ افسوس تو تب کریں جب ہم یہاں بیٹھے رہیں۔ ہم کو خود ہی سفر درپیش ہے۔ نہیں معلوم کس گھڑی بلاوا ہو اور چلنا ٹھہر جائے۔ پھر سب سے مشکل یہ ہے کہ مرنا صرف یہی نہیں ہے کہ بدن سے روح ایک مکان میں چلی گئی۔ نہیں' وہاں جا کر بات بات کا حساب دینا ہو گا۔ زبان جھوٹ اور غیبت اور قسم اور فحش اور بے ہودہ بکواس کے واسطے جواب دہی کرے گی۔ آنکھ نظر بد کی سزا پائے گی' کان کو کسی بدی اور راگ سننے کے عوض گوشمالی دی جائے گی۔ ہاتھ نے کسی پر زیادتی کی ہے یا پرایا مال چرایا ہے تو کاٹا جائے گا۔ پاؤں اگر بے راہ چلا ہے تو شکنجے میں کسا جائے گا۔ بڑا ٹیڑھا وقت ہو گا۔ خدا ہی اپنے فضل سے بیڑا پار کرے تو ہو سکتا ہے۔ جس کو ان باتوں سے فراغت ہو وہ کسی کے مرنے پر غم کرے یا کسی کے پیدا ہونے پر خوش ہو تو بجا ہے۔ لیکن دنیا میں کوئی ایسا ہے جو اپنی عاقبت سے بے فکر ہو چکا ہو؟ اصغری! اپنی خبر لو اور اس دن کے واسطے سامان کرو جہاں سوائے عمل کے کچھ کام نہ آئے گا اور دعا کرو کہ خداوندِ عالم اپنے دوست محمد ﷺ کے طفیل سے ہم سب کا انجام بخیر کرے۔

والد

گنہگار دور اندیش خان